سہ ماہی نئی دہلی

خبرنامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر:۳ | اپریل تا جون ۲۰۰۹ء | شمارہ نمبر:۳

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail:aimplboard@gmail.com / aimplboard@vsnl.net

ایڈیٹر پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

صفحہ	اسمائے گرامی	مضامین	نمبر شمار
۳	(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی	پیغام	۱
۵	(حضرت مولانا) سید نظام الدین	اداریہ	۲
۷	حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ	دین میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں	۳
۱۲	حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ	زمانہ کے تغیرات اور شرعی احکام	۴
۱۳	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں (مختصر رپورٹ)	۵
۱۸	محمود حسن حسنی ندوی	بھٹکل میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس	۶
۲۱	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	اصل تہذیب ''مذہب اسلام'' (جس کو آخری پیغمبر ﷺ لے کر آئے)	۷
۲۲	ڈاکٹر حسین بعدرانی	حقیقی اتحاد قرآن ہی سے ممکن	۸
۲۶	مفتی محمد ارشد فاروقی	منبر مسجد ایک طاقتور ذریعۂ ابلاغ	۹
۳۰	ڈاکٹر دسوقی	تطبیق شریعت	۱۰
۳۶	حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	قانون شریعت سے ہم برادران وطن کو واقف کرائیں	۱۱
۳۷	سید شاہ مصطفیٰ رفاعی ندوی	اسلام کا تصور زندگی ہی فطری ہے	۱۲
۳۹	مفتی امتیاز قاسمی	اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خواتین کا رول	۱۳
۴۹	مولانا بدر الحسن قاسمی	''اَمن فکری'' کی راہ میں درپیش رُکاوٹیں	۱۴
۵۸	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	تاریخ تحفظ شریعت کے درخشاں تارے	۱۵
۶۰	مولانا بدر الحسن قاسمی	بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کا انیسواں اجلاس	۱۶
۱	(H.Ml.)Syed Nizamuddin	Editorial	۱۸
۳	Mohd Abdul Rahim Quraishi	The Board Marching ahead	۱۹
۵	Abdur Rashid Agwan	AIMPL Board Background, Activities.....	۲۰
۹	Dr. Rukhsana Nikhat Lari	The Importance of Women in Islam.......	۲۱

آل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پرسنل لا بورڈ کی ضرورت اور اس کا دائرۂ کار

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

انسانی زندگی کو اعلیٰ انسانی اقدار کا پابند رکھنے اور اس کو خالق کائنات رب العالمین کے حکموں کے مطابق گذارنے کے لیے جو ہدایات اسلام اور دیگر مذاہب میں دی گئیں ہیں ان کے درمیان بڑا فرق پایا جاتا ہے، اسلام کے برخلاف دیگر مذاہب میں جو احکام دیے گئے ہیں وہ عموماً اپنے اپنے تصور کے مطابق عقیدہ اور عبادت کی چند رسموں تک محدود ملتے ہیں، لیکن اسلام کا معاملہ اس سلسلہ میں بہت مختلف ہے، اس میں توحید کے واضح عقیدہ اور عبادت کے متعدد پہلوؤں پر مشتمل اور جامع نظام رکھا گیا ہے، اور ان پر کسی کمی وبیشی کے بغیر عمل کرنا لازم قرار دیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ زندگی کے دیگر تمام احوال ومعاملات کے سلسلہ میں بھی متعینہ احکام دیے گئے ہیں، اور یہ سب ''شریعت اسلامی'' کے تحت آتے ہیں، اور ان کی پابندی اسلام کے سب ماننے والوں کے لیے خدائے برتر واعلیٰ کی طرف سے ضروری قرار دی گئی ہے، اور چونکہ یہ احکام خدائے برتر واعلیٰ کی طرف سے ہیں اس وجہ سے ان میں کسی انسانی تصرف یا تغیر کی گنجائش نہیں دی گئی ہے، یہ احکام عبادت کے تعلق سے ہوں یا دیگر پہلوؤں کے سلسلہ کے ہوں، انفرادی زندگی کے ہوں یا عائلی، سماجی معاملات کے ہوں، آپسی تعلقات کے ہوں یا مالی معاملات کے ہوں، یہ سب شریعت اسلامی کی رہنمائی وہدایات کے تحت رکھے گئے ہیں، ان میں اجتماعی وسماجی معاملات کے سلسلہ کے احکام اور عمل کرانے کی ذمہ داری اصحاب اقتدار پر رکھی گئی ہے، اور انفرادی دائرہ میں آخرت میں ملنے والی جزا وسزا کے حوالہ سے تلقین ونصیحت رکھی گئی ہے، اور جو معاملات شخصی اور انفرادی حالات سے تعلق رکھتے ہوں ان کے لیے بھی آخرت کی سزا وجزا کا احساس دلانے اور نصیحت وتلقین کی صورت رکھی گئی ہے۔

اس طرح انسانی زندگی کے صلاح وفلاح کے لیے اسلامی قانونِ شریعت بڑا ہمہ گیر، اور زندگی کی ضرورتوں اور تقاضوں پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اچھے برے کے درمیان واضح فرق بتانے والا اور پھر اس کو کنٹرول کرنے والا ہے، اسلامی شریعت کے احکام کے اجراء کے سلسلہ میں ایک خاص بات یہ رکھی گئی ہے کہ قوت حاکمہ کے ذریعہ ضابطوں کا نفاذ صرف اسلام کے ماننے والوں کے لیے رکھا گیا ہے، اسلام سے باہر کے لوگوں پر ان کا نفاذ نہیں رکھا گیا ہے، ان کو ان کے مذہب کے مطابق عمل کرنے کا حق دیا گیا ہے، یہ وہ طرز عمل ہے جس کو حاکمانہ اقتدار رکھنے والی اسلامی حکومتوں نے برابر اختیار کیا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے ''لا إكراه في الدين'' کہ دیگر مذاہب

کے لوگوں پر مذہب کے سلسلہ میں دباؤ نہیں ہے۔ یہ صرف اسلام کے ماننے والوں کے لیے لازم کیا گیا ہے کہ زندگی کے معاملات خواہ انفرادی دائرے کے ہوں یا اجتماعی زندگی کے ہوں، مالی معاملات ہوں یا عائلی خاندانی معاملات ہوں، ان سب میں احکام الٰہی کی پابندی ضروری ہے، اس طرح مسلمان اقتدار کے تحت ہوں یا اسلامی اقتدار کے باہر ہوں ان کے لیے احکام الٰہی پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، مسلمان اگر کسی غیر اسلامی اقتدار کے ملک میں ہیں تو ان کا مطالبہ اس حکومت سے یہ ہوتا ہے کہ جس طرح اسلامی اقتدار میں غیر مسلم قوموں کے مذہبی امور میں مداخلت کا حق ملک کی قوت حاکمہ کو نہیں ہوتا تو اسی طرح مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں غیر مسلم حکومت کو بھی مداخلت نہیں کرنی چاہئے، اور خاص طور پر جب ملک کا دستور سیکولر ہونے کی بناء پر کسی کے مذہبی امور میں مداخلت کا حق نہیں دیتا، لہٰذا قانونی طور پر بھی مسلمانوں کا یہ حق بنتا ہے کہ ان کے مذہبی معاملات میں سیکولر حکومت کو دخل نہیں دینا چاہیے، اسی اصول و قاعدہ پر عمل کرانے کے لیے اور اس سلسلے میں اسلامی شریعت پر عمل کرنے کے جذبہ کا تحفظ برقرار رکھنے کی فکر کرنے کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ضرورت پڑی، اور اس کے ذریعے اس ملک میں مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے جب ضرورت پڑی کوشش کی گئی اور الحمدللہ کامیابی ہوئی، اس طرح ہمارے اس ملک میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ایک ایسا جامع اور معین ادارہ بن گیا جو ہماری اسلامی شریعت کے بقا و تحفظ کا اہم کام انجام دیتا ہے، یہ مسلمانوں کے مشترکہ ادارہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مختلف مسلکوں اور مختلف نقطۂ نظر کی جماعتوں کی پوری نمائندگی رکھتا ہے، اور اس طرح اتفاق و وحدت کے ساتھ مسلمانوں کے مشترکہ مذہبی احکام کے تحفظ کی ذمہ داری انجام دیتا ہے، وہ احکام جن میں مسلکی اختلاف ہے یا نقطہائے نظر کا فرق ہے ان کو انھی مسلکوں اور انھی نقطہائے نظر کی ذمہ داری کے ساتھ مخصوص رکھتا ہے، اور ان میں دخل نہیں دیتا، کیوں کہ وہ احکام ان کے مسلکوں کا داخلی معاملہ ہے جن کو دیکھنے اور فکر کرنے کی ذمہ داری انہیں مسلکوں کے ذمہ داروں کی ہے، اسی طرح ان معاملات میں بھی جو مشترک ملکی معاملات ہیں اور ان میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں یکساں شریک ہیں، ان کو بھی بورڈ ملک کی سیاسی، علاقائی و ملکی سطح کی جماعتوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے، اور ان میں دخل دینا اپنا فریضہ نہیں سمجھتا، اس طرح بورڈ کو ملت کے اختلافی و جزئی معاملات میں الجھنے سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور بورڈ کی آواز شریعت اسلامی کے معاملات اور ان کے تحفظ کے دائرے میں رہتی ہے، اور وہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی مشترکہ و متحدہ آواز سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے ارکان کرام الحمدللہ بورڈ کے اس نظام و رویہ سے اتفاق رکھتے ہوئے پورا تعاون دیتے ہیں، اور اس طرح بورڈ کو اپنی ذمہ داری انجام دینے میں مدد ملتی ہے، ضرورت ہے کہ بورڈ کو اس کے دائرے میں شامل مسلمانوں کے تمام گروہوں کے ذمہ داروں کی طرف سے یہ تعاون ملتا رہے جو خود مسلمانوں کے مشترکہ معاملات کے لیے تقویت کا ذریعہ ہے اور اس سے اسلامی امت کو اپنی آواز کو مضبوط بنانے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

❁ ❁ ❁

اداریہ

ہندوستانی مسلمان اوران کی ذمہ داریاں

سیدنظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

اللہ نے جب کائنات کی تخلیق کی اور انواع واقسام کی مخلوقات کو وجود بخشا تواس نے خودانسان کی بھی تخلیق کی اوراس انسان کوتمام صلاحیتوں سےنوازا جن میں سب سے اہم ترین صلاحیت عقل کی ہے اوراس کوایک ایسے دل سےنوازا جوتمام قوتوں،صلاحیتوں اور اسرار کا مرکز ہے اور اس انسان کو اللہ نے اپنی اطاعت اور تسبیح اور عبادت کے لئے پیدا کیا اوراس نے انسان کی آسانی کے لئے صحیفے، کتابیں اور انبیاء ورسل کے بھیجنے کا ایک مسلسل نظام قائم رکھا جس کی انتہا اور اختتام نبی آخرالزماں ؐ کی بعثت پر ہوئی۔

انسان یا تو خاموش رہتا ہے یا بولتا ہے یا ساکن ہوتا ہے یا حرکت کرتا ہے لیکن ہر کیفیت میں اس کے افعال،اقوال اوراعمال کے پیچھے کوئی نہ کوئی جذبہ داعیہ اور خیال چھپا ہوتا ہے جواس کے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا سبب ومحرک بنتا ہے،انسان اپنے آپ میں خدا کی تخلیق کردہ نشانی ہے جس کے اندر پوری ایک دنیا چھپی ہوئی ہے وہ اپنے آپ میں خودایک عالم ہے، کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ۔

گھٹے اگر تو بس ایک مشت خاک ہے انسان
بڑھے اگر تو وسعت کونین میں سما نہ سکے

یہ وہی انسان ہے جس کے بارے میں خود خالق نے فرمایا کہ ہم نے اسے بنایا اس میں روح ڈالی، اس کو عقل وفکر کی قوت سے نوازا،اس کو وہ تمام چیزیں سکھائیں جن کی اسے ضرورت تھی،مزید اس کی آسانی کے لئے نبی اور رسول بھیجے جنھوں نے اسی کی زبان میں اسے بنانے،سنوارنے،نکھارنے اورخوبیوں والا بنانے کی کوشش کی، اس کے پاس اپنی کتاب بھیجی جس میں سب چیزیں کھول کھول کر بیان کردی تاکہ انسان کی عقل دھوکہ نہ کھائے اور خیر وشر کے درمیان فرق کرسکے، یہ سلسلہ جاری رہا، نبی ورسول آتے رہے اور جاتے رہے، انسان پیدا ہوتے رہے،مرتے رہے، پھلتے اور بڑھتے رہے، تاریخ کے صفحات مسلسل پلٹتے رہے یہاں تک کہ آخری نبی مبعوث کئے گئے اوران پر کتاب مبین نازل کی گئی جوتیس (۳۰) پاروں کی شکل میں محفوظ ہے، نبی نے آیات کی تلاوت کی، کتاب وحکمت کی تعلیم دی اورمومنین کا تزکیہ کیا،اپنے اصحاب کی صورت میں روئے زمین پر مقدس انسانوں کی ٹیمیں تیار کردیں جنھوں نے دنیا بھر میں سفر کرکے اس دین کو پہنچایا جسے انہوں نے اپنے نبی سے سیکھا اور سمجھا، اللہ والوں کی یہ جماعت زمین کے جس حصہ کا بھی رخ کرتی ادھر دین کی روشنی پھیل جاتی اور مادیت کے مقابلہ میں روحانیت کا بول بالا ہوتا ظلم کے مقابلہ میں انصاف کوفروغ ملتا،شرک کے مقابلہ میں توحید کانعرہ اور جھنڈا بلند ہوتا، پھرصحابہ سے یہ امانت (دین کو پھیلانے اورسمجھانے کی) تابعین نے سیکھی اوران سے تبع تابعین نے سیکھی اوراس کے بعداس ذمہ داری کو علماء،اولیاء اورمجددین نے سنبھال لیا،یہ ذمہ داری وامانت آخر ہے کیا؟ اصلاً یہ ایک آسمانی پیغام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو

پورے طور پر خوشی بخوشی اپنے رب کی مرضی، پسند اور حکم کے مطابق چلنے کے لئے تیار کرلے اور آمادہ ہوجائے اور رب نے جن خطرات ونشانات اور علامات کے بارے میں یہ آگاہی دی ہے کہ ان کے قریب جانے سے انسان تباہی کا شکار ہوجاتا ہے، ان تمام چیزوں سے دوری اختیار کرنا انسان کی ذمہ داری ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا کتاب کے آجانے اور رسول وصحابہ کے ذریعہ سے اسلامی شریعت کے پہنچ جانے کے بعد ہمارے پاس وہ کیا عذر ورکاوٹ ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی زندگی میں اس پورے قانون کو نہیں نافذ کرپارہے ہیں، کیا وہ رکاوٹ شیطان ہے یا مادہ پرستی یا خود ہماری خواہشات ہیں یا وہ سماج ہے جو شکلا وظاہراً تو دین پر ہے لیکن اصلاً دین پر نہیں ہے یا یہ کہ نفاق ہے کہ قلب میں ابھی پوری آمادگی اور قبولیت نہیں پیدا ہوئی ہے، بہرحال رکاوٹ خواہ کچھ بھی ہو واضح ہدایت کے آجانے کے بعد اب کسی چوں وچرا کی گنجائش باقی نہیں، اللہ کا شکر ہے کہ ہندوستان میں اسلامی تعلیم اسلامی ثقافت اور اسلامی تربیت مسلم معاشرہ میں کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے، اسلامی شعور اور اسلامی روح بھی بیدار ہے۔ جس طرح ایمان کم اور زیادہ ہوسکتا ہے اسی طرح توفیق کی نسبت بھی کم اور زیادہ ہوسکتی ہے، بس اصل بات یہ ہے کہ ہندوستانی مسلم معاشرہ کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اسلامی احکام وقوانین اور اسلامی ضوابط واصول سے واقف ہوکر اپنی زندگی بسر کرے اور مختلف حیثیتوں میں وہ شریعت کی رہنمائی کا پابند رہے اگر وہ باپ ہے تو بچوں اور بچیوں کی تربیت کے سلسلہ میں، اگر وہ شوہر ہے تو اپنی بیوی کے حقوق کے سلسلہ میں، اگر بیٹا ہے تو وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں، اگر بھائی ہے تو وہ اپنے بھائی اور بہنوں کے ساتھ بہتر اخلاق ومعاملات کے سلسلہ میں اسے وہ پیمانہ اپنانا چاہئے جو پیمانہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس کو دیا ہے کیونکہ وہی معیار بھی ہے اور حجت بھی۔

دین کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہرحال میں متحد رہیں اختلاف رائے اور اختلاف فکر ونظر کو برداشت کریں، تحمل ورواداری سے کام لیں، دوسروں کا احترام کرنا سیکھیں کیونکہ احترام انسانیت اور مخلوق سے محبت، انسانوں کی اصلاح وفلاح کی فکر کرنا اور اپنے آپ کو ملک وملت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور نفع بخش بنانے کی کوشش کرنا ہماری ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے۔

اپنی زندگی اور ذات سے تضاد کو دور کرنا ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کی کوشش اور پیغام اصلاً اتحاد، اعتصام بحبل اللہ، اور قرآن وسنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینے اور اس پر جم جانے کی دعوت ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جو سلف صالحین کا منہج ہے اخلاص کے ساتھ دل سے شریعت کے تمام احکام کو قبول کرنے کا فیصلہ کریں اور اپنی پوری زندگی اسی نہج پر ڈھال دیں۔

خلاصۂ کلام

ہندوستان کی دینی قیادت نے نہایت دانشمندی اور حزم وتدبر کے ساتھ تمام تنظیموں، جماعتوں اور مسالک ومکاتب فکر کے قائدین اور رہبران کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور ہندوستانی مسلمانوں کو مضبوط اتحاد قائم رکھنے کی دعوت دی اور اپنے ہر اعلامیہ سے وحدت کی اہمیت اور ضرورت پر مسلسل زور دیا اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط اجتماعیت برپا کرنے کی دعوت دی اور ملک میں اسلام کے عائلی قوانین ونظام کے تحفظ اور اس کے نفاذ کے لئے منظّم جدوجہد کا آغاز کیا۔ الحمدللہ بورڈ نے ممتاز ترین ہندوستانی علماء کی قیادت میں یہ تحریک چلائی کہ مسلمانان ہند اقلیت میں ہونے کے باوجود اپنے مسلم پرسنل لا پر سختی کے ساتھ عمل پیرا رہیں اور نکاح، طلاق ادائیگی حقوق وغیرہ کے مسئلہ میں شریعت کے بتائے قوانین کو اپنے گھروں میں نافذ کریں اور اس کو زندہ کریں۔

دین میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ

ہمیں ملانے والی چیز صرف اللہ کا نام اور اس کا مستند کلام ہے اور ہمارے دین کی اساس کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہی ہمیشہ کی طرح آج بھی ہمارے اس ملی اتحاد کا سرچشمہ ہے ہم اللہ کے نام سے زندگی حاصل کرتے ہیں اور اسی کے کلام کو اپنی زندگی کا قانون سمجھتے ہیں اور اللہ کے سچے رسول خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو کمالات خداوندی کا نمونہ اور اپنی دنیا و آخرت کا کامل و مکمل رہنما اور مربی یقین کرتے ہوئے ان ہی کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا آخری مقصد سمجھتے ہیں۔''

ہر دور میں تاریخ کا ظہور کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے۔ اس دور کا تاریخی ظہور یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے مختلف مکاتب فکر کے علماء، دانشور اور رہنما وحدت کلمہ کی بنیاد پر ایک نقطۂ وحدت پر جمع ہیں۔ اس کی روشنی میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق توحید و رسالت اور جذبہ وحدت کی جو امانت امت کو سپرد کی گئی تھی ہم اس کی حفاظت کے فریضہ کو فرض کی طرح ادا کرنے بیٹھے ہیں۔ بلاشبہ یہ امانت ہمیں جان و مال اور آبرو سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنی جانوں سے دست بردار ہو سکتے ہیں مگر اس ازلی اور ابدی امانت سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

اسلام عام مذاہب کی طرح کوئی خاندانی، وطنی یا قومی قسم کی روایات کا مذہب نہیں ہے بلکہ روایت در روایت کے لحاظ سے اس کی ہمہ گیر فطرت کی خود اپنی ہی ایک مستقل اور امتیازی شان ہے۔ اسلام ایک ایسی مملکت ہے جس کی سرحدیں اٹل ہیں اور وہ سرحدیں خداوندی دستور سے بنی ہوئی ہیں جو قلعہ بند شہر پناہ کی مانند ہیں۔ زمانہ کی کسی بھی ضرب سے نہ وہ ٹوٹ سکتی ہیں اور نہ ہل سکتی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان سرحدات سے باہر نکل جائیں مگر یہ ان کی تعدی ہوگی حدود اپنی ہی جگہ اٹل رہیں گی۔''

اسلام عام مذاہب کی طرح کوئی خاندانی، وطنی یا قومی قسم کی روایات کا مذہب نہیں ہے بلکہ روایت در روایت کے لحاظ سے اس کی ہمہ گیر فطرت کی خود اپنی ہی ایک مستقل اور امتیازی شان ہے۔ اسلام ایک ایسی مملکت ہے جس کی سرحدیں اٹل ہیں اور وہ سرحدیں خداوندی دستور سے بنی ہوئی ہیں جو قلعہ بند شہر پناہ کی مانند ہیں۔ زمانہ کی کسی بھی ضرب سے نہ وہ ٹوٹ سکتی ہیں اور نہ ہل سکتی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان سرحدات سے باہر نکل جائیں مگر یہ ان کی تعدی ہوگی حدود اپنی ہی جگہ اٹل رہیں گی۔''

آج پرسنل لا کے نام سے ان میں تبدیلیوں کا مواد بنام اصلاح و ترمیم پیش کیا جا رہا ہے۔ کیا حقیقتاً یہ کوئی اصلاح اور اصلاحی تحریک ہے؟ یہ اصلاح اسی قسم کی ہے جسے قرنِ اول کے منافقین **انما نحن مصلحون** کے نعرے کے ساتھ لے کر کھڑے ہوئے تھے لیکن عالم الغیب والشہادہ نے کھلا اعلان فرمادیا کہ **اَلا انھم ھم المفسدون ولکن لا یعلمون** ہم اپنے دین و دانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی

تحریک ہے۔ بلکہ دوربین سے دیکھئے یا خوردبین سے صاف نظر آئے گا کہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ سیاست اپنے پاس ہی رکھئے۔ ہندوستان کا دستور مذہب اور سیاست کو الگ الگ قرار دیتا ہے تو آپ ہمارے مذہب کے معاملہ میں اپنی سیاست ملا کر حکومت اور عوام کو ناراض کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟

آپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت ریفارمس چاہتی ہے اور ہم مصلح ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ملک میں سماجی برائیوں، اخلاقی گراوٹوں، اور غلاظتوں کے جو ڈھیر لگے ہوئے ہیں حکومت کے قانون، حکام کی طاقت اور نام نہاد مصلحین کی اصلاحی مہم کا رخ اس طرف کیوں نہیں۔ مجھے اس وقت ایک سخت لفظ کہنے پر معاف کیجئے کہ وہ سماج کتنا دَیُّوث ہے جو لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور چار شادیوں کی خاص شرائط اور عدل و دیانت کے ساتھ محض اجازت پر اعتراض کرتا ہے۔ اور اس غلاظت پر مظلوم قسمت کی ماری گنہگار عورتوں پر کتنے مرد ظلم توڑتے ہیں نہ کوئی پابندی عائد کرتا ہے اور نہ کوئی دار و گیر کار ردادار ہے۔ آج بھی اس ملک میں ایسے فرقے ہیں جو اَسی اَسی بیویاں رکھتے ہیں اور سماج ان کے بارے میں چوں تک نہیں کرتا۔ لیکن اسلام نے سماج کے اس وحشی دستور کے خلاف قانون کو محدود کر کے اگر چار کی گنجائش رکھی اور وہ بھی کڑی شرائط کے ساتھ اور وہ بھی اس بے قید غلاظت سے سماج کو پاک رکھنے کے لئے تو مصلحین کی ٹولیاں قانون کے پشتارے لے کر دوڑ پڑیں۔ ملک کے ایسے سر پھرے مصلحین کو مسلم پرسنل لا کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے سو بار خود شرمانا چاہئے تھا جنہیں بے شرم سماج کو ٹوکنے تک کی بھی ہمت نہیں۔ ان میں اسلام کے فطری اور اعلیٰ و ارفع قانون پر حرف زنی کرنے کی ہمت کہاں سے پیدا ہوئی۔ بیشمار بچوں کی تعداد پر تو پابندیاں عائد کی جائیں مگر بے شمار گناہوں پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی جذبہ نہ ابھرے۔ خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوں۔ کہیں بھی ہوں۔ کتنے ہی شرمناک انداز میں ہوں۔ تباہ حال اچھوتوں کا کیا حال ہے۔ غریب ہندو عورتوں کا کیا حال اور قال ہے۔ جوان نسل کے لڑکے لڑکیاں کن کن سماجی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، جھونپڑوں میں عورتوں کی عزت اور عصمت کیسے دردناک حالات سے دوچار ہے وہاں کوئی مصلح کوئی لیڈر اس اصلاحی مہم کو لے نہیں پہنچتا...... اگر کوئی ایسا اصلاحی مہم لے کر اٹھے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم سب ان مصلحین کے پروگراموں کا آخر تک ساتھ دیں گے...... شاید ان گناہوں کی پردہ پوشی کے لئے پرسنل لا کے چند مسائل کو ہدف بنا کر ان میں ترمیمات اور اصلاحات کے نعرے لگائے جا رہے ہیں یا ممکن ہے اقلیتوں کو جذباتی ہیجان میں مبتلا رکھنے کی کوئی تدبیر ہو...... بہر حال نعرہ زنوں کا انداز قد ہر لباس میں عریاں ہے خواہ وہ آہن کا لباس پہن کر آئیں یا سماج و معاشرہ کی اصلاح کا۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی فرد دین خداوندی میں ترمیم و تبدیلی کا نعرہ بزعم خود کوئی اصولی بات سمجھ کر لگا رہا ہے تو میں اس اجتماع کے موقع پر اپنے تمام علماء کرام اور دانشوران محترم کی طرف سے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے اس عقیدے پر اٹل ہیں کہ جس طرح خدائے بزرگ و برتر نے اپنے نظام خلق کو اپنی سچی فطرت پر قائم کیا ہے جس میں تبدیلی ناممکن ہے کہ **لا تبدیل لخلق اللّٰہ** اسی طرح اس نے اپنے نظام امر کو بھی جس کا نام دین ہے اپنی اسی فطرت کی اساس پر قائم کیا ہے اس لئے اس میں بھی تبدیلی ممکن نہیں **لا تبدیل لکلمات اللّٰہ.**

اسی لئے ہم نہ صرف مسلمانوں بلکہ اس ملک کے عظیم رہنماؤں اور دانشور حکام سے کہتے ہیں اور بڑے خلوص سے کہتے ہیں کہ ہم یکساں سول کوڈ کے منصوبے کو مسترد کر کے اپنے اس عقیدے کا اعلان کرتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا میں پارلیمنٹ کے ذریعہ ہو یا حکومت کے راستے سے یا کسی اسمبلی کی سفارش سے کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اسلام کا قانون فطرت الٰہی پر قائم ہے اور وہ ناممکن التبدیل ہے۔

دین سے ناواقف اور بزعم خود واقف کار ایک طبقہ کچھ جزئیات لے کر کھڑا ہوا ہے اور ان میں ترمیم کا مطالبہ کر رہا ہے۔ گویا اسے سارا دین چھوڑ کر جب اس میں کہیں بھی جگہ نہ ملی تو ان چند جزئیات کو ہدف بنا کر سامنے آیا

ہے اور بزعم خود اس نے گویا بڑی فلسفیت اور زعیمی کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان ساری خرابیوں کی جڑ بنیاد مذہب کے بارے میں ان لوگوں کا سیاسی تصور ہے۔ یہ لوگ دین اور خدائے برتر کو بھی معاشی نقطۂ نظر اور پیٹ ہی کی خاطر سمجھنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے انہوں نے ایک کلیہ ایجاد کر رکھا ہے جس کے یہ گل کھل رہے ہیں اور وہ یہ کہ مذہب انسان کا نجی اور پرائیوٹ معاملہ ہے اس تصور کی نامعقولیت سے تھوڑی دیر کے لئے الگ ہو کر اس کے آثار کو دیکھا جائے تو مشاہدات ہی سے اس اصول کا کھوکھلا پن سامنے آجاتا ہے۔ اگر لوگ اسلام کے تمام معاملاتی اور اجتماعی کاموں کو اپنی ناقص اور جزوی عقلوں سے طے کرنے لگیں گے تو دین وحی الٰہی اور نقل صحیح کی حکومت سے نکل کر عوام الناس کی عقلوں کے زیر حکومت آجائے گا، حالانکہ دین وحی الٰہی اور مستند نقل صحیح کی بنیادوں پر قائم ہے نہ کہ عقلی اختراعات اور اوہام وخیالات پر جس سے ان کے لئے دینی شعبوں میں کتر بیونت کی گنجائش پیدا ہو...... عقلوں میں تفاوت ایک مشاہدہ بات ہے عوام ہوں یا خواص عقلیں سب کی ایک درجہ کی نہیں ہیں اور نہ ہوسکتی ہیں، ظاہر ہے کہ جب دین اور اس کے تمام معاملاتی پہلوؤں کی مجوز یہی جزوی عقلیں ہونگی تو دین طرح طرح کے خیالات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا، اور جتنی علقلیں ہوں گی اتنے ہی مذہب تیار ہو جائیں گے جس سے نفس دین ہی سرے سے گم ہو کر رہ جائے گا......

مسلم پرسنل لا کا مسئلہ پندرہ بیس سال پرانا نہیں جیسا کہ بعض حضرات یہی خیال کئے ہوئے ہیں...... یہ مسئلہ اور اس کے بارے میں علماء کا اقدام ودفاع سو سال پرانا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا تو ورثاء انبیاء نے سب سے پہلے مسلم پرسنل لا ہی کے تحفظ کی فکر کی۔ ۱۸۶۷ء میں جب دارالعلوم کی بنیاد پڑی تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہٗ نے سب سے پہلے ان ہی عائلی قوانین کے اجراء کی فکر کی۔ غیر رسمی آغاز سے عہدۂ قضاء قائم کیا۔ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو قاضی مقرر فرمایا جس کے تحت عائلی مسائل طے ہونے لگے۔ انگریزوں کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ مسلمان نامی لوگوں کو ہی اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھایا گیا۔ بہر حال تغیر احوال سے ان کے دور کے ساتھ اس نظام کا دور بھی ختم ہو گیا۔ لیکن مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی جو داغ بیل ڈالی گئی تھی وہ دلوں کی سرزمین پر قائم ہو گئی۔

مسلم پرسنل لا پر حملہ اور اس کا دفاع

انگریزوں کے اقتدار پر نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ہندوستانیوں میں سیاسی حقوق طلبی کا داعیہ پیدا ہوا۔ عامۃ الناس کی سیاسی جماعتوں نے سیاسی مطالبات پیش کئے لیکن مذہبی مطالبات کو نظر انداز کر دیا۔ جسے پرسنل لا کے کالعدم ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے علماء نے اس مسئلہ پر میمورنڈم تیار کیا جو دس دفعات پر مشتمل تھا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ مہتمم خاص دیوبند کی سربراہی میں یہ مؤقر وفد دہلی پہنچ کر وزیر ہند سے ملا۔ اور میمورنڈم پیش کیا۔ جس میں صفائی سے ظاہر کیا گیا کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل میں گورنمنٹ کوئی ایسا ایکٹ وضع نہ کرے جو شرعی قانون سے متصادم ہو۔ اس میمورنڈم میں بنیادی مطالبے دو تھے ایک یہ کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے اجراء کے لئے محکمۂ قضاء قائم کیا جائے چونکہ شرعی اصول پر بہت سے مسائل کی تنفیذ کے لئے مسلم حاکم شرط ہے۔ اس کونسل میں ہر فرقہ کے نمائندہ علماء ممبر ہوں اور مسائل کا فیصلہ ہر فرقہ کے اپنے فقہی اصول پر ہو...... دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر مساجد، مدارس، مقابر، اوقات، خانقاہوں اور دوسرے دینی رفاہ عام کے تحفظ ونگرانی اور نظم ونسق کے لئے شیخ الاسلام کا عہدہ قائم کیا جائے جو ان تمام شعائر کو تنظیم کے ساتھ چلانے کا ذمہ دار ہو۔

ان مطالبات پر اس دور کے تقریباً پانچ سو علماء کے توثیقی دستخط حاصل کئے گئے جو آج بھی دارالعلوم کے محافظ خانہ میں محفوظ ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں ہندوستان میں مسلم اوقاف کی تنظیم کا مسئلہ اٹھا جو مسلم پرسنل لا ہی کا اہم جزو تھا، گورنمنٹ نے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے استفساری سوالات ملک کے مختلف حلقوں میں بھیجے۔ حضرت مولانا

حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم سادس دارالعلوم کو اس کا استفساری مراسلہ موصول ہوا۔ جس کا اصولی جواب بھیجا گیا۔

پھر برطانوی حکومت ہی کے زمانہ میں شاردا ایکٹ کا مسئلہ اٹھا جو مسلم پرسنل لا کا ایک مستقل جزو تھا، حضرت مولانا تھانوی (اشرف علی تھانوی) قدس سرہٗ نے ایک مستقل رسالہ میں شاردا بل کے بنیادی محرکات اور عمر نکاح کے شرعی قانون میں ترمیم کئے جانے کی تردید کے ساتھ اس پر پیش کردہ اشکالات کا حل پیش کیا۔ اور اس پر مناسب وقت تک جدوجہد کی گئی۔

پھر برطانیہ ہی کے دور میں انھیں عائلی مسائل کو شرعی قوانین کے مطابق طے کرنے کے لئے حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ نے بہار میں امارت شرعیہ قائم فرمائی۔ (۱۹۲۰ء) آج تک الحمد للہ قائم ہے۔ اور آج اس کے امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب رحمانی ہیں۔ یہ امارت مسلم پرسنل لا کی عملی صورت اور ترمیم وتبدیلی کے اوہام و خرافات کا عملی جواب بنی ہوئی ہے۔......

پھر ۱۹۴۷ء کے انقلاب اور تقسیم ملک کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے تنسیخ زمینداری کا مسئلہ اٹھا جس کا اثر اوقاف کی زمینوں پر بھی پڑتا تھا جو پرسنل لا ہی کا بنیادی جزو تھا اس بارے میں ایک وفد جس میں یہ ناکارہ بھی شامل تھا، دہلی میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی خدمت میں پیش ہو کر گفت وشنید کی پھر مولانا ہی کی ہدایت پر دوبارہ لکھنؤ جا کر پنڈت پنتھ وزیر اعلیٰ یوپی سے ملا، اور بموجودگی دیگر وزراء یوپی کونسل اور چیئرمین اوقاف سے اس مسئلہ پر بحث وتمحیص کی......

علماء حق نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی......اور آخر کار پرسنل لا کے تمام مسائل پر مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم نے ایک مبسوط رسالہ بنام ''ہمارے عائلی مسائل'' شائع کیا جس میں تمام پیش پا افتادہ موانع کو جن کی آڑ میں ترمیم قانون کی صدائیں بلند کی گئی تھیں معقول اور منقول انداز سے رد کر کے ان کا شرعی حل پیش کیا فرمایا......

علماء حق نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی......اور آخر کار پرسنل لا کے تمام مسائل پر مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم نے ایک مبسوط رسالہ بنام ''ہمارے عائلی مسائل'' شائع کیا جس میں تمام پیش پا افتادہ موانع کو جن کی آڑ میں ترمیم قانون کی صدائیں بلند کی گئی تھیں معقول اور منقول انداز سے رد کر کے ان کا شرعی حل پیش فرما دیا......

آج پرسنل لا پر وہی وقت گزر رہا ہے جو سو برس میں بار ہا گزرا......نیز آج بھی وہی مسلم کہلانے والے کچھ لوگ اس کی ترمیم وتبدیلی کے نعرے لئے ہوئے کھڑے ہیں جن کا پرانا روگ ایک ہی ہے اور وہ شرعی مسائل کو لادینی فکر یا معاشی یا سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنا اور سوچنا...... حالانکہ وہ ان مسائل اور ان کی حقیقی بنیادوں سے نہ قطعاً واقف ہیں، اور نہ ہی ان کے سمجھنے کے ذوق سے آشنا ہیں۔''

حیرتناک بات یہ ہے کہ ان مسائل کے خلاف جس شوراشوری سے مشکلات کا ڈھول پیٹا جا رہا تھا ان میں سے کوئی ایک مشکل بھی کمیٹی کے سامنے ایسی نہیں آئی کہ اسے عام معمول بہ پہلو کے خلاف کسی غیر معمول بہ پہلو کی ترجیح و انتخاب سے کام لینا پڑا ہو۔ کیونکہ عموماً پیش کردہ مشکلات کچھ تو از قسم حیلہ جوئی ہیں کہ اپنی سہل انگاری اور کم ہمتی کی وجہ سے لوگوں نے عمل تو خود نہیں کیا اور خود ساختہ مشکلات کا الزام شریعت کے سر تھوپ دیا۔

بعض مشکلات رسمی اور رواجی قسم کی ہیں جو رسم ورواج کی کورانہ پابندیوں، ماحول کی خرابیوں، اور غیر طبعی جکڑبندیوں سے پیدا شدہ ہیں مگر جب شریعت کا موضوع یہی جاہلانہ رسوم ورواج کو مٹا کر اسوہ ہائے نبوت پر دنیا کو لگانا ہے تو شریعت کو تو حق ہے کہ ان رسوم اور ان کے ماحول میں ترمیم و تغیر کرے، لیکن رسوم ورواج کو قطعاً حق نہیں ہے کہ وہ شریعت میں ترمیم

کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔

بعض مشکلات خیالی اور وہمی قسم کی ہیں کہ ایک طبقہ کو غلام اور محروم فرض کر کے شریعت کے دیئے ہوئے حق سے اسے زائد حق دلوائے جانے کا شور مچایا گیا ہے درآنحالیکہ اس مقررہ حق سے زائد حق دیئے جانے میں کتنے ہی دوسرے اہل حق کی حق تلفیاں مضمر ہیں۔

شک اندازوں کے سامنے زبان زد طریق پر حقوق کی کمی کا پہلو تو آ گیا مگر لاعلمی کی وجہ سے تلافی کا پہلو نہ آیا۔ درآنحالیکہ شریعت نے ہر انسانی طبقہ کو اس کی خلقی اور فطری اور ساتھ ہی عقلی اور شعوری خصوصیات ہی کی بقدر حقوق و اختیارات وفرائض عطا کئے ہیں۔ جو کمال عدل و اعتدال پر مبنی ہیں، اور ظاہر ہے کہ معتدل اور جامع احکام سے روگردانی اور تجاوز ہی کا نام افراط و تفریط اور ظلم ہے جسے مٹانے کے لئے یہ فطری شریعت بھیجی گئی ہے۔

بہر حال مسلم پرسنل لا کے مسائل کے سلسلہ میں جس قدر بھی زبان زد مشکلات کمیٹی کے سامنے آئیں، ان میں کوئی بھی مشکل اصولی رنگ لئے ہوئے نہیں تھی اور اگر اصولی رنگ بھر کر کسی چیز کو اصولی کہا بھی گیا تو وہ فرضی اور خود ساختہ اصولی تھی، غرض نہ کوئی جزوی مشکل سامنے آئی نہ اصولی، بلکہ محض ناتربیت یافتہ دماغوں کی اپج، لاعلموں کی خیالی مشکلات بے عملوں کی حیلہ جوئی اور اسیران رسوم و رواج کی پہلو تہی...... اور یا پھر دانا دشمنوں کی خوردہ گیریاں تھیں۔ جن کی وجہ سے قانونی توسعات تلاش کرنے کی کمیٹی کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔

مسلم پرسنل لا میں دو ہی قسم کے مسائل ہیں یا کتاب وسنت میں منصوص ہیں یا کتاب وسنت سے ماخوذ، منصوص مسائل میں تو کسی ترمیم و تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ کتاب وسنت کا کوئی بدل ہی نہیں کہ ان کے مسائل کا کوئی بدل ممکن ہو، رہے اجتہادی مسائل تو اجتہاد کا بدل اجتہاد ہو سکتا ہے بشرطیکہ اصل اجتہاد پر عمل کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے لیکن اگر یہ شرط نہ لگائی جائے تو اجتہادی مسائل میں بھی انتخاب اور ترجیح کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ ردوبدل یا ترمیم و تنسیخ کا سوال پیدا ہو۔

ہمارا بنیادی مقصد پرسنل لا کا تحفظ اور فتنہ ترمیم سے اس کا بچاؤ کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے اہل علم وفضل اور دانشوروں کو یہ اعلان کرنا ہے کہ مسلمانان ہند اپنے پرسنل لا سے نہ کسی طرح دستبردار ہو سکتے ہیں نہ اس میں کسی طرح کی ترمیم و تبدیلی گوارا کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی ایسے مشترک قانون کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں جو پرسنل لا کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو۔ خواہ وہ سول کوڈ ہو یا مشترکہ قانون سازی...... بالفاظ دیگر مسلمان اپنی معاشرتی اور ثقافتی خصوصیات اور امتیازات کو فنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن پر ان کے ملی وجود کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، رہے وقت کے تقاضے تو اسلام کے جامع اور معتدل احکام میں وقت کے کون سے تقاضے ہیں جو پورے نہیں ہوئے یا نہیں ہو سکتے۔

''آج اگر شدید ضرورت ہے تو مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کی تاکہ وہ اسلام کے قانون کو سمجھیں اور خلوص نیت کے ساتھ اسے استعمال میں لائیں۔ اسی کے ساتھ ایک ایسی راہ عمل ہموار کر دینے کی ہے جس پر پرسنل لا خود اپنی ہی معنوی قوت سے تعمیری انداز میں چلے اور آگے بڑھے جس کا عملاً چلتے رہنا ہی اس قسم کے فتن اور وسوسہ اندازیوں کا سد باب اور عملی جواب ہے۔

گورنمنٹ کا ایک اعلان جیسا کچھ بھی ہو بہر حال یہ ہے کہ پرسنل لا میں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی جب تک کہ مسلمان خود ہی اس کی خواہش نہ کریں اس مقام پر تمام مکاتب فکر کے ذمہ دار نمائندے متفقہ طریقے پر اعلان کرتے ہیں کہ......ہم پرسنل لا سے کسی حالت میں بھی ایسے مشترک قانون کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتے جو پرسنل لا کے کسی جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو بلکہ اسی کے ساتھ اگر ہم یہ بھی کہیں کہ پرسنل لا کے سلسلہ میں تبنیت اور ملازمین سرکار پر تعدد ازدواج کے بارے میں جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ مسلمانوں کی حد تک اٹھالی جائیں تو گورنمنٹ کے اس اعلان کی صداقت غیر مشتبہ ہو جائے گی۔

زمانہ کے تغیرات اور شرعی احکام

حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ

عصری رجحانات اور زمانے کے تغیرات اور سیاسی وسماجی انقلابات کے نتیجے میں احکام شرع کے اندر تبدیلی کی کوئی گنجائش ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو اس کے لئے طریقۂ کار کیا ہوسکتا ہے۔اس سلسلہ میں اولاً تو اس بات کو پوری طرح سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت اسلامیہ کے بنیادی اصول قرآن و سنت کے قائم کردہ حدود کو توڑ کر جو راہ بھی اختیار کی جائے گی وہ دین سے روگردانی اور گمراہی کی راہ ہوگی، علامہ ابن قیمؒ نے رائے کی تین قسمیں بتائی ہیں: ''بلاشبہ باطل رائے۔صحیح رائے۔اور ایسی رائے جس میں تردد ہو''۔

رائے باطل کی انہوں نے چند قسمیں کی ہیں وہ فرماتے ہیں: ''پہلی وہ رائے جو نص کے مخالف ہو اور اس کا فساد و بطلان بالکل واضح ہے، اس سے فتویٰ دینا درست ہے اور نہ فیصلہ کرنا، اگر چہ کوئی اسے کسی بھی قسم کی تاویل و تقلید کے سبب کیوں نہ اختیار کرے''

کہ رائے کو وحی پر مقدم کر دینا اور خواہشِ نفس کو عقل پر مقدم کر دینا یہی سارے بگاڑ کی جڑ ہے'' اور جسے بھی کچھ عقل ہے وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی بربادی اور اس کا بگاڑ صرف رائے کو وحی پر، اور خواہشات کو عقل پر مقدم کرنے اور ترجیح دینے کے سبب پیدا ہوا''

جہاں یہ صورت حال پیدا ہو جائے کہ وحی پر رائے اور عقل پر خواہش نفس مقدم کر دی جائے تو حق کی جگہ باطل اور ہدایت کی جگہ گمراہی پیدا ہوگی۔''اور جب یہ دونوں فاسد بنیادیں کسی دل میں جاگزیں ہو جاتی ہیں، تو اس دل کی ہلاکت بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔اور اگر کسی قوم میں یہ چیز پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا معاملہ بھی پوری طرح تباہی کے کنارے پہنچ جاتا ہے، پس خدا شاہد ہے کہ اس قسم کی غلط آراء سے کتنے ہی حق مٹ چکے ہیں اور کتنے ہی باطل وجود میں آئے ہیں۔اور اسی قسم کی آراء سے بہت سی ہدایتیں دفن کی گئی ہیں، اور گمراہیوں کو زندگی ملی ہے۔اسی پر بس نہیں بلکہ اس قسم کی آراء ایمان کے قلعوں کو منہدم کرنے اور شیطان کے طریقہ کو آباد کرنے کا ذریعہ بنی ہیں''۔

اس لئے دین کے بارے میں نصوص شرعیہ سے آزاد ہو کر قواعد شرع کو نظر انداز کر کے کوئی راہ اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کے مقاصد فوت ہو جائیں گے اور دین اور احکام الٰہی سے بغاوت کی راہ کھل جائے گی۔

بہر حال جس طرح یہ ایک عظیم الشان غلطی ہے اسی طرح عصری رجحانات، زمانے اور حالات کے تغیر اور ضرورت وحرج کو نظر انداز کر دینا بھی کچھ کم غلط نہ ہوگا، **اس لئے کہ شریعت اسلامیہ اگر نئے حالات کی رعایت نہ کرسکی اور علماء اسلام زمانہ کے پیدا کردہ نئے مسائل کا جواب نہ دے سکے اور فقہ قدیم کی جزئیات پر جمود کی راہ اختیار کی گئی تو آہستہ آہستہ دین سے بیزاری کے رجحانات پیدا ہوں گے۔**

نئے مسائل کا حل تلاش کرنا ہوگا

ان حالات کی بنیاد پر میرے نزدیک صحیح راہ یہ ہے کہ ایک طرف مقاصدِ شریعت اور روح احکام پر پوری نگاہ رکھی جائے دوسری طرف اصول و کلیات اور اشباہ و نظائر کو سامنے رکھ کر نئے مسائل کا حل نکالا جائے اور زمانے کے تغیر کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات کو دور کیا جائے، یہی وہ راہ تھی جسے صحابۂ کرامؓ اور اکابر علماء نے ہر دور میں اختیار کی ہے۔

❁❁❁

مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں

(مختصر رپورٹ)

محمد وقارالدین لطیفی ندوی

مجلس عاملہ:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کے مشورہ کے بعد ۱۲ر جولائی ۲۰۰۹ء کو ریاست کیرالا کے مشہور شہر کالی کٹ میں مجلس عاملہ کا ایک اجلاس طے کیا گیا ہے حضرت جنرل سکریٹری صاحب محترم کی طرف سے حسب ذیل اطلاعی دعوت نامہ مؤرخہ یکم جولائی ۲۰۰۹ء کو ارسال کیا گیا:

محترم ومکرم! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی دامت برکاتہم کے مشورہ سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس مؤرخہ ۱۲ر جولائی ۲۰۰۹ء روز اتوار بوقت نو بجے صبح ریاست کیرالا کے شہر کالی کٹ میں طلب کیا گیا ہے۔

آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنی دوسری مصروفیات پر اس اجلاس میں شرکت کو ترجیح دیں اور ۱۱ر جولائی کی شام یا ۱۲ر جولائی ۲۰۰۹ء کی صبح تک کالی کٹ پہنچ جائیں۔ مناسب ہوگا کہ اپنے مقام سے ہی آمد ورفت کا ٹکٹ ریزرو کرالیں، مقامی انتظامیہ نے سکنڈ کلاس سلیپر کلاس کا کرایہ دینے کی پیش کش کی ہے۔

امید ہے کہ اس اجلاس میں مسلم پرسنل لا سے متعلق اہم مسائل پر گفتگو ہوگی۔ ایجنڈا کی تفصیلات سے جلد ہی مطلع کیا جائے گا۔

اس کے بعد مؤرخہ ۱۱ر جولائی ۲۰۰۹ء کو حسب ذیل ایجنڈا ارسال کیا گیا:

مخلص ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

جیسا کہ پہلے اطلاعی دعوت نامہ ارسال کیا جاچکا ہے کہ صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے مشورہ سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس مؤرخہ ۱۲ر جولائی ۲۰۰۹ء بروز اتوار بوقت نو بجے صبح ریاست کیرالہ کے تاریخی شہر کالی کٹ میں طلب کیا گیا ہے۔ آج دعوت نامہ مع ایجنڈا ارسال خدمت ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ بورڈ کے اس اہم اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں، اور مندرجہ ذیل پتوں پر اپنے پروگرام سے جلد از جلد مطلع کریں، تا کہ نظم ونسق میں سہولت ہو۔

مقام اجلاس : **اسماء ٹاور، ماؤور روڈ، کالی کٹ (کیرالہ)**

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک ۲۔ تجاویز تعزیت ۳۔ سابقہ کارروائی کی توثیق۔ ۴۔ نئے حالات میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی اہمیت اور اسکے اعلیٰ مقاصد کو بروئے کار لانے کے مسئلہ پر صدر بورڈ کا خطاب۔

۵۔ عدالتوں میں دائر مقدمات کی رپورٹ (تبنیت کا مسئلہ، افتاء و قضا کا معاملہ، لبراہن کمیشن) اور آئندہ کے اقدام پر غور۔

۶۔ بورڈ کی مختلف کمیٹیوں کی رپورٹ اور ان کی تجاویز پر غور۔

(الف)اصلاح معاشرہ کمیٹی، (ب) دارالقضاء کمیٹی، (ج) بابری مسجد کمیٹی، (د) تفہیم شریعت کمیٹی۔ ۷۔مجموعہ قوانین اسلامی کی جدید طباعت اوراس کے انگریزی ترجمہ کا مسئلہ۔ ۸۔بورڈ کے اکیسویں اجلاس عام کے لئے مقام اور تاریخ کا تعین۔ ۹۔اصلاح معاشرہ کے ریاستی کنوینرس اور قضاۃ کی تربیت کے لئے اجتماعات پر غور۔۱۰۔مختلف ریاستوں میں خواتین کے اجتماعات اور ان سے متعلق مسائل پر سیمینار کا پروگرام۔ ۱۱۔اپریل ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء کے آمد وصرف کے گوشوارہ کی پیشی۔ ۱۲۔ دیگر امور باجازت صدر

پریس ریلیز:

عاملہ کے اس اجلاس کے تعلق سے حسب ذیل پریس ریلیز مؤرخہ ۲۶/جون ۲۰۰۹ء کو جاری کی گئی:

ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی مشترکہ ومتحدہ تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنی عاملہ کا ۸۰واں (اسیواں) اجلاس کالی کٹ کیرالہ میں طلب کیا ہے، بورڈ کی عاملہ کا یہ اجلاس ۱۲/جولائی ۲۰۰۹ء کو صبح نو بجے اسماء ٹاور ماؤر روڈ کالی کٹ میں ہوگا جس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی اہمیت وضرورت پر صدر بورڈ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا ایک اہم خطاب ہوگا جس میں خاص طور پر نئے حالات ومسائل کے تناظر میں بورڈ کے بنیادی کام، مسلم پرسنل لا کی حفاظت، اس کا نفاذ اور اس کی تطبیق ونفاذ کے بارے میں اظہار خیال کا موضوع شامل ہوگا۔

عاملہ میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ جن ایشوز پر غور ہوگا ان میں لبراہن کمیشن کا مسئلہ اور مختلف عدالتوں میں جو مقامات اور کیسیز مسلم پرسنل لا کے تعلق سے چل رہے ہیں ان سب پر تفصیل کے ساتھ غور وخوض ہوگا کیونکہ ہندوستان کی مختلف عدالتوں میں ایسے بہت سے مقدمات چل رہے ہیں جو کسی نہ کسی درجہ میں بورڈ کی شرعی وقانونی مداخلت کے متقاضی ہیں، عاملہ کی اس میٹنگ میں بورڈ کی چار مرکزی کمیٹیوں کی رپورٹیں بھی پیش ہوں گی اور ان پر صلاح ومشورہ کیا جائے گا، اسی اجلاس میں ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں خواتین کے مسائل سے متعلق سمینار وسمپوزیم منعقد کرنے کے مجوزہ پروگراموں پر بھی غور ہوگا نیز شمالی وجنوبی ہندوستان میں قاضیوں کی تربیت وٹریننگ کے لئے خصوصی پروگرام منعقد کرنے پر بھی مشورے ہوں گے، مسلم سماج کے سدھار اور سوسائٹی سے تمام برائیوں کو دور کرنے کے لئے اصلاح معاشرہ کے ریاستی کنوینرس کے پروگرام منعقد کرنے پر بھی بات چیت ہوگی۔

عاملہ بورڈ کے اکیسویں اجلاس عام کی تاریخ وجگہ طے کرنے کے بارے میں بھی فیصلہ کرے گی، عاملہ میں جنوب کی ریاستوں کے ذمہ دار ارکان شریک رہیں گے۔

اجلاس کا دعوت نامہ جملہ ارکان عاملہ اور خصوصی مدعوئین کو بھیج دیا گیا ہے۔

مجموعہ قوانین اسلامی:

مجموعہ قوانین اسلامی پر غور کرنے کے لئے ایک میٹنگ ۶/تا ۸/جولائی ۲۰۰۹ء رکھی گئی تھی جس کے لئے کمیٹی کے کنوینر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی طرف سے حسب ذیل خط مؤرخہ ۴/جون ۲۰۰۹ء کو بھیجا گیا:

مکرمی ومحترمی زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام عائلی مسائل سے متعلق جو ''مجموعہ قوانین اسلامی'' مرتب ہوا ہے، وہ یقیناً بورڈ کا ایک عظیم الشان کارنامہ اور علماء ہند کی یادگار خدمت ہے، اس مجموعہ میں زیر بحث آنے والے بعض مسائل تشنہ تحقیق ہیں، کیوں کہ ان کی بابت فقہاء کی عبارتوں میں بھی ایک گونہ ابہام پایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ نکاح باطل اور نکاح فاسد کی تعریف کا ہے، جیسا کہ آں محترم کے علم میں ہے، حنفیہ کے نزدیک بنیادی طور پر نکاح کی دو قسمیں ہیں: نکاح صحیح اور نکاح غیر صحیح، پھر نکاح غیر صحیح کی دو قسمیں کی گئی ہیں: نکاح باطل اور نکاح فاسد، نکاح غیر صحیح کی ان دونوں قسموں کے بارے میں دو باتیں قابل تحقیق ہیں، ایک نکاح باطل اور نکاح فاسد کی تعریف؛ کیوں کہ فقہاء نے ایسی واضح تعریف۔ غالباً۔ نہیں کی ہے، جو

پوری طرح فاسد و باطل کے درمیان امتیاز قائم کردے، دوسری طرف عدالتوں میں یہ تصور چلا آرہا ہے کہ اگر ابدی موانع نکاح کی وجہ سے نکاح ممنوع ہو تو یہ نکاح باطل ہے اور عارضی موانع ہوں تو نکاح فاسد ہے، اس سلسلہ میں ایسی واضح تعریف مطلوب ہے، جو جامع مانع ہو اور باطل و فاسد کے سلسلہ میں فقہاء کی ذکر کی ہوئی تمام مثالوں کو شامل ہو۔

دوسرا مسئلہ باطل و فاسد نکاحوں پر مرتب ہونے والے آثار و احکام کا ہے، خاص کر یہ مسئلہ کہ نکاح فاسد کی وجہ سے نفقہ واجب ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ ایک طرف فقہاء نے صراحت کی ہے کہ نکاح فاسد میں نفقہ واجب نہیں ہوگا، نہ عدت کا اور نہ اس سے پہلے کا، دوسری طرف نکاح بغیر شہود کی صورت میں نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے، اور اس صورت کے نکاح فاسد ہونے کی صراحت بھی کتابوں میں موجود ہے، اور فی الجملہ احتباس کی شکل بھی پائی جاتی ہے، جو نفقہ واجب ہونے کی بنیاد ہے۔

چنانچہ ان دونوں امور اور بعض دیگر مسائل پر غور وفکر کے لئے ٦ تا ٨ جولائی روز سوموار تا چہار شنبہ کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مرکزی دفتر دہلی میں ایک خصوصی نشست رکھی گئی ہے، انشاء اللہ ٦ جولائی کی شام بعد نماز مغرب یہ اہم نشست شروع ہوگی، آپ سے گذارش ہے کہ زیر بحث مسئلہ پر اچھی طرح غور وفکر کے بعد اس میں شریک ہوں اور اپنے مفید علمی مشوروں سے نوازیں، اگر اپنے نقطۂ نظر کو لکھ کر بھیج دیں، یا ساتھ لے آئیں تو زیادہ بہتر ہوگا، امید کہ بورڈ کو آپ کے علمی مشوروں سے استفادہ کا موقع ملے گا، دفتر کو اپنی تشریف آوری کے نظام سے بھی مطلع کردیں تو مناسب ہوگا۔

اس کے علاوہ ملک کے بعض اہم مدارس کے ذمہ داروں کے نام اس سلسلہ میں تعاون کے لئے کمیٹی کے کنوینر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی طرف سے مؤرخہ ۴/جون ۲۰۰۹ء کو حسب ذیل خط روانہ کیا گیا:

مکرمی ومحترمی   زید مجدکم

السلام علیکم و رحمة الله و بركاته

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام عائلی مسائل سے متعلق جو ''مجموعہ قوانین اسلامی'' مرتب ہوا ہے، وہ یقیناً بورڈ کا ایک عظیم الشان کارنامہ اور علماء ہند کی یادگار خدمت ہے، اس مجموعہ میں زیر بحث آنے والے بعض مسائل تشنۂ تحقیق ہیں۔ کیوں کہ ان کی بابت فقہاء کی عبارتوں میں بھی ایک گونہ ابہام پایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ نکاح باطل اور نکاح فاسد کی تعریف کا ہے، جیسا کہ آں محترم کے علم میں ہے، حنفیہ کے نزدیک بنیادی طور پر نکاح کی دو قسمیں ہیں: نکاح صحیح اور نکاح غیر صحیح، پھر نکاح غیر صحیح کی دو قسمیں کی گئی ہیں: نکاح باطل اور نکاح فاسد، نکاح غیر صحیح کی ان دونوں قسموں کے بارے میں دو باتیں قابل تحقیق ہیں، ایک نکاح باطل اور نکاح فاسد کی تعریف؛ کیوں کہ فقہاء نے ایسی واضح تعریف۔ غالباً نہیں کی ہے، جو پوری طرح فاسد و باطل کے درمیان امتیاز قائم کردے، دوسری طرف عدالتوں میں یہ تصور چلا آرہا ہے کہ اگر ابدی موانع نکاح کی وجہ سے نکاح ممنوع ہو تو یہ نکاح باطل ہے اور عارضی موانع ہوں تو نکاح فاسد ہے، اس سلسلہ میں ایسی واضح تعریف مطلوب ہے، جو جامع مانع ہو اور باطل و فاسد کے سلسلہ میں فقہاء کی ذکر کی ہوئی تمام مثالوں کو شامل ہو۔

دوسرا مسئلہ باطل و فاسد نکاحوں پر مرتب ہونے والے آثار و احکام کا ہے، خاص کر یہ مسئلہ کہ نکاح فاسد کی وجہ سے نفقہ واجب ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ ایک طرف فقہاء نے صراحت کی ہے کہ نکاح فاسد میں نفقہ واجب نہیں ہوگا، نہ عدت کا اور نہ اس سے پہلے کا، دوسری طرف نکاح بغیر شہود کی صورت میں نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے، اور اس صورت کے نکاح فاسد ہونے کی صراحت بھی کتابوں میں موجود ہے، اور فی الجملہ احتباس کی شکل بھی پائی جاتی ہے، جو نفقہ واجب ہونے کی بنیاد ہے۔

ان دونوں امور پر ٦ تا ٨ جولائی ۲۰۰۹ء کو بورڈ کی لیگل کمیٹی غور کرے گی، اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں آپ اپنی تحقیق تحریری شکل میں مؤرخہ ۳۰ جون ۲۰۰۹ء تک بھیج دیں؛ تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے، آپ کا یہ تعاون ایک دینی اور شرعی مسئلہ میں اہم تعاون ہوگا، اور آپ اس کے لئے عنداللہ ماجور ہوں گے۔

اس کے بعد بعض وجوہات کی بنیاد پر ٦/تا ٨/ جولائی کو ہونے

والی میٹنگ کوملتوی کرنا پڑا جس کے لئے کمیٹی کے کنوینر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے مؤرخہ ۱۹/جون ۲۰۰۹ء کوحسب ذیل خط روانہ کیا:

مکرمی ومحترمی! زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

آں محترم سے گذارش کی گئی تھی کہ مؤرخہ ۶/جولائی بعد نماز مغرب تا ۸/جولائی ۲۰۰۹ء آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مرتب کردہ ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' کی بعض دفعات پرغور کرنے کے لئے دفتر بورڈ دہلی میں تشریف آوری کی زحمت فرمائیں ؛ لیکن **بعض وجوہ سے اس وقت یہ میٹنگ ملتوی کی جاتی ہے**، ان شاءاللہ جلد ہی دوبارہ نشست رکھی جائے گی ، امید کہ بورڈ کواس اہم کام میں آپ کا مخلصانہ علمی تعاون حاصل رہے گا، دعاء خیر کا طالب ہوں۔

تہنیت کے سلسلے میں:

یتیموں کی تفصیل طلبی کے تعلق سے جملہ ارکان کے نام بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کی طرف سے مؤرخہ ۱۸/فروری ۲۰۰۹ء کو ایک خط بھیجا گیا تھا، جو گذشتہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے اس کے جواب میں رکن بورڈ مولانا ذکاء اللہ شبلی صاحب اندور اور مفتی محمود حافظ جی بارڈولی نے جواب کے ساتھ اول الذکر مدھیہ پردیش اور ثانی الذکر گجرات کے کچھ مدارس کے پتے بھی ارسال فرمائے جن کو مؤرخہ ۲۷/اپریل ۲۰۰۹ء کوحسب ذیل خط روانہ کیا گیا:

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بفضل الٰہی خیروعافیت سے ہوں گے۔

سپریم کورٹ میں دائرکردہ ایک رٹ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں یتیم ونادار اور مفلس اطفال کی دیکھ بھال پر توجہ دی جاتی ہے۔ دینی مدارس میں زیرتعلیم طلبہ میں یتیم ونادار طلبہ بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے پینے، قیام اور تعلیم کے سارے اخراجات کی خود مدرسہ کفالت کرتا ہے۔ ہم نے دارالقضاء اندور کے مولانا ذکاءاللہ شبلی صاحب اور گجرات کے مفتی محمود حافظ جی بارڈولی کواس تعلق سے لکھا تھا۔ انہوں نے آپ کے مدرسہ کا نام بھی فہرست میں دیا ہے۔

براہ مہربانی جتنی جلد ہو سکے اس کی اطلاع دیجئے کہ آپ کے مدرسہ کے مختلف درجوں اور شعبوں میں کل طلباء کتنے ہیں اوران میں یتیم اور نادار طلبہ کی تعداد کتنی ہے جن کی کفالت خود مدرسہ کرتا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ توجہ فرما کر جواب مرحمت فرمائیں۔

بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی طرف سے بورڈ کے بعض ارکان کے نام جسب ذیل خط مؤرخہ ۳/مئی ۲۰۰۹ء کو بھیجا گیا اوراس خط کے ساتھ حسب ذیل پرفورما بھی بھیجا گیا:

جناب مکرم ومحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہو!

سپریم کورٹ میں زیر بحث ایک مقدمہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ کو یہ وضاحت کرنی ہے کہ یتیموں کہ متعلق مسلمان پورا اہتمام کرتے ہیں ،انہوں نے ادارے کھول رکھے ہیں ،جبکا نظم ملت کے ذمہ دار افراد کے ہاتھوں میں ہے، اس بات کو مضبوطی کے ساتھ پیش کرنے کیلئے ملک کے یتیم خانوں کی فہرست اسمیں زیرتربیت افراد کی تعداد پیش کرنی ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر مزید تفصیلات حاصل کرنے کے لئے ایک پرفورما (نمونہ کا خاکہ) منسلک ہے، تاکہ ہر ایک یتیم خانہ کے متعلق ضروری تفصیلات بورڈ کے دفتر میں رہیں۔

براہ کرم اس طرف فوری توجہ فرمائیں، اورآپ کے علم میں جو بھی یتیم خانے ہوں، ان سے معلومات حاصل کر کے پرفورما بھرکر بورڈ کے دفتر کوارسال فرمائیں (پرفورما کی فوٹو کاپی کرائی جاسکتی ہے) اگر تفصیلات بھیجنے میں دشواری ہوتو کم ازکم ان یتیم خانوں کا پتہ ارسال فرمائیں جوآنجناب کے علم میں ہوں۔ توجہ فرمائی کیلئے مشکور ہونگا۔

باسمہ تعالیٰ

ہندستان کے یتیم خانوں سے متعلق تفصیلات

یتیم خانہ کا نام اور مکمل پتہ:.........................

یتیم خانہ کا سنہ تاسیس:............ فون ر فیکس..

ای میل...

یتیم خانہ میں یتیموں کی کل تعداد:......................بچوں کی تعداد:

بچیوں کی تعداد:..

یتیم خانہ میں کس عمر میں بچوں ر بچیوں کو قبول کیا جاتا ہے؟.....................

کس عمر تک رکھا جاتا ہے؟.......... کس طرح کی تعلیم کا نظم ہے؟........

یتیم خانہ کے تربیت یافتہ بچے ر بچی یتیم خانہ سے نکل کر کس طرح کا پیشہ اپناتے ہیں:..................................

کیا یتیم خانہ کی اپنی عمارت ہے؟ .... خام ہے یا پختہ .... کرایہ کی عمارت ہے؟.....................

یتیم خانہ وقف بورڈ میں درج ہے؟ اگر وقف بورڈ میں درج ہے تو اسکا کوئی متولی ہے یا کمیٹی؟..

یتیم خانہ ٹرسٹ ایکٹ یا کسی اور ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے؟.................

عوام کی منتخب کمیٹی کے ذریعہ نظم چلتا ہے یا کوئی اور سسٹم ہے؟..............

یتیم خانہ کے صدر کا نام................ پتہ.............................

فون ر فیکس................ موبائل نمبر..................................

یتیم خانہ کے سکریٹری کا نام................ پتہ..........................

فون ر فیکس................ موبائل نمبر..................................

(آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ شکر گذار ہے کہ آپ نے مذکورہ بالا معلومات بہم پہونچائیں)

یتیموں کی تفصیل طلبی کے لئے ۶ر مئی ۲۰۰۹ء کو جنرل سکریٹری صاحب کی طرف سے تمام ارکان اور ملک کے بعض اہم مدارس کے نام حسب ذیل خط بھیجا گیا:

محترمی و مکرمی! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بعافیت ہوں گے!

سپریم کورٹ میں تبنیت کے سلسلہ میں مسز شبنم ہاشمی کی جانب سے دائر ایک رٹ کے تعلق سے جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ کی طرف سے فروری ۲۰۰۹ء میں ایک تفصیلی مراسلہ آپ کو بھیجا گیا تھا جس میں آپ سے درخواست کی گئی تھی کہ کورٹ میں مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں یتیم و لاوارث مسلمان بچوں، بچیوں کی کفالت کے بارے میں مدارس و یتیم خانوں میں ان زیر کفالت بچوں، بچیوں کی مکمل تفصیلات جلد از جلد فراہم کریں، جنکی مکمل پرورش و نگہداشت کی ذمہ داری مسلم یتیم خانوں اور مدارس نے اٹھا رکھا ہے۔ آپ کی فراہم کردہ درست و مکمل تفصیلات نیز اعداد و شمار کی مدد سے مذکورہ بالا مقدمہ میں بورڈ کو پیروی کرنے میں کافی سہولت ہوگی۔ اسلئے آپ سے اس اہم کام میں فوری تعاون کی گذارش ہے۔

وفیات:

اس دوران رکن بورڈ جناب مولانا عبدالحنان صاحب، جامعہ اسلامیہ قاسمیہ مالاساتھ سیتامڑھی ایک طویل علالت کے بعد مالک حقیقی سے جاملے۔

رکن بورڈ مولانا بدرالدین اجمل قاسمی صاحب (ایم پی) کے والد محترم الحاج محمد اجمل علی قاسمی صاحب (آسام)، رکن بورڈ علامہ عقیل الغروی صاحب کے والد محترم (دہلی)، رکن بورڈ جناب محمد ادیب صاحب، ایم پی (دہلی) کی والدۂ محترمہ بھی مالک حقیقی سے جاملے۔

ملک کے ممتاز و بزرگ عالم دین حضرت مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی صاحب کلکتہ کا ابھی حالیہ دنوں میں انتقال ہوگیا ہے جو بورڈ کے بیسویں اجلاس کلکتہ کے سرپرست تھے۔ اللہ ان سب کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

دعائے صحت:

رکن اساسی بورڈ مولانا قاضی عبدالاحد ازھری صاحب معہد ملت مالیگاؤں ان دنوں سخت علیل ہیں ان پر فالج کا حملہ ہوا ہے قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

بھٹکل میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس

محمود حسن حسنی ندوی

رائے بریلی

ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر، مسالک، فرقوں، جمعیات، اداروں اور تحریکوں کی نمائندہ تنظیم اور دوسرے ممالک کے لیے مثالی ادارہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ معروف ومقبول ادارہ بن چکا ہے، جس کے فیصلوں کا وزن اور جس کی میٹنگوں کا اثر قائم ہوتا ہے اور اس کی کسی بھی بات کو حکومت اور عدالت عالیہ سنجیدگی سے لیتی ہے اور غور کرتی ہے، فی الوقت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر بورڈ اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ کی قیادت میں اس کا کارواں رواں دواں ہے، یہ شخصی ادارہ نہیں ہے لیکن مسائل شخصی لیتا ہے، اور عدالت و پارلیمنٹ کو بھی دستور ہند کی روشنی میں چیلنج کر دیتا ہے کئی مسائل میں اسے کامیابی حاصل ہو چکی ہے، بعض ملی مسائل کو اور اوقاف کے مسائل کو اس نے لیا ہے، اور اس میں اچھی پیش رفت ہوئی، بڑے اور مرکزی شہروں میں اس کے اجلاس ہوتے رہے ہیں، بھٹکل جو کہ کوئی بڑا مرکزی شہر کیا چھوٹا شہر بھی نہیں ہے، لیکن اپنے باشندوں کے عزم و ہمت، استقلال اور فکر و دانش، تجارت وصنعت کی وجہ سے اپنی شناخت بنا چکا ہے، اور بڑے شہروں سے آنکھیں ملا رہا ہے، اہل بھٹکل کی دیرینہ خواہش اجلاس بورڈ کے انعقاد کی تھی چنانچہ مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ۷/فروری ۲۰۰۹ء کو یہاں کے لیے طے کر دی گئی۔

۷/فروری ۲۰۰۹ء کا دن بھٹکل کے لیے تاریخی تھا، مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس کے انعقاد کے لئے اہل بھٹکل عرصہ سے خواستگار تھے، مولانا محی الدین منیری صاحبؒ بانی جامعہ اسلامیہ بھٹکل اور بھٹکل کی دوسری سرکردہ شخصیت جناب عبدالغنی محتشم صاحبؒ کی دیرینہ خواہش اور تمنا اس کی میزبانی اور ضیافت کی رہی تھی، مگر یہ نصیب مولانا محمد الیاس بھٹکلی ندوی اور ان کے رفقاء کا تھا، سید خلیل الرحمٰن صاحب نے جو تیسری شخصیت کے طور پر ابھرے ہیں، دل کھول کر تعاون کیا، اور مولانا محمد الیاس صاحب کو گرچہ تین چار دن پہلے اپنے والد ماجد کے سانحہ وفات کے صدمہ سے بھی دوچار ہونا پڑا تھا مگر انہوں نے دوسروں پر اس کا احساس بھی نہیں ہونے دیا، اور نظم و ترتیب، فکر مندی، اور جہد مسلسل میں ذرا فرق نہیں آنے دیا، صرف مدارس کے علماء و طلبہ کو ہی ساتھ لے کر نہیں چلے بلکہ اسکول و کالج کے اسٹوڈنٹس اور اسپورٹس کلب کے جوانوں کو بھی ساتھ لیا اور ایک مستعد چوکنا فوج سے جو کام لیا جاتا ہے وہ کام ان سے لیا، ان کی غیر معمولی صلاحیت ولیاقت قائدین ملت کے سامنے اور ان کے قائدانہ کردار سے ہر ایک متاثر ہوا۔

مجلس عاملہ کی میٹنگ جامعہ کے وسیع و عالی شان ہال میں صدر بورڈ کی صدارت میں منعقد ہوئی، اور حالیہ دنوں کے گرم مسائل سامنے آئے، بابری مسجد کے قضیہ کی روداد جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے پیش کی، اور یہ یقین دلایا کہ بہت جلد یہ مسئلہ حل ہونے کو ہے، مولانا عتیق احمد صاحب بستوی کی دارالقضاء کے تعلق سے رپورٹ اہمیت کی حامل ضرور تھی مگر وہ تشریف نہ لا سکے، رپورٹ حاضرین کو پہونچ گئی، مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کی رپورٹ اصلاح معاشرہ کمیٹی نہایت اہمیت کی حامل تھی، جلسوں، لٹریچر، ملاقاتوں، پروگراموں اور دیگر وسائل وطریقوں سے وہ سماج سدھار کی جو تحریک چلا رہے ہیں اس میں علاقائی زبانوں سے بھی مدد لے رہے

ہیں، اور اچھے فعال معاونین مختلف ریاستوں اور علاقوں میں انہیں حاصل ہیں، اس کی تفصیل پیش کی، اور بورڈ کے اس کام کو نہایت قدر سے دیکھا گیا، سپریم کورٹ کے بعض قابل اعتراض فیصلوں کا جائزہ بھی لیا گیا، جس میں دوسگی بہنوں سے نکاح کا معاملہ بھی سامنے آیا، اسی طرح نکاح کے لازمی رجسٹریشن کو نقصان دہ اور تکلیف دہ قرار دیا گیا، مولانا سید نظام الدین کی سکریٹری رپورٹ اسسٹنٹ جنرل سکریٹری محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے پیش کی، اس کے بعد ارکان عاملہ نے اس پر بحث کی، نیز مدارس میں حکومت کی کسی قسم کی مداخلت کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے اس سلسلہ میں ایک تجویز منظور ہوئی، دیر تک جاری اجلاس عاملہ میں صدر بورڈ کی واضح اور دوٹوک گفتگو ہوئی، جس میں انہوں نے خوش اسلوبی سے آپسی مسائل کو حل کرنے کو کہا، اور اتحاد واتفاق پر خصوصیت سے زور دیا گیا نیز اصول وضابطہ کی رعایت ہر ایک کے لیے ضروری قرار دیا گیا اور صدر بورڈ کی دعاء پر جلسہ اختتام کو پہونچا۔

اجلاس عام

اس دن بعد نماز عشاء ایک اجلاس عام بھی ''تحفظ شریعت و اصلاح معاشرہ کانفرنس'' کے عنوان سے رکھا گیا اور اہل بھٹکل نے اس اجلاس کی پوری تندہی سے تیاری کی تھی، اور جس کے لیے اپنی تمام تر سرگرمیوں کو پس پشت ڈال دیا تھا حتی کہ بیرون ملک سے اپنے مشاغل کو موقوف کر کے مسقط، ابوظہبی، شارجہ، دبئی اور دوسرے خلیجی و بیرونی علاقوں سے اپنے وطن بھٹکل پہونچ گئے تھے، اس کا وقت آپہونچا، بعد نماز عشاء مولانا سید ارشد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند کی اصلاحی تقریر پہلی تقریر تھی جس میں انہوں نے گھر کو موضوع بنا کر والدین کے حقوق، اہل وعیال کے حقوق اور دوسری خانگی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور مؤثر انداز میں گفتگو کی، پھر خطیب حیدرآباد جناب مولانا سلیمان سکندر صاحب کی باری آئی، جوش خطابت میں ان کی نظیر دی جاتی ہے اور شیر دکن کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں، خوب نعرے لگوائے، اور خون گرمایا، پھر تقسیم انعامات کی باری آئی یہ اس پروگرام کے انعامات تھے جو اسلامیات سے متعلق مطالعاتی امتحان میں رکھے گئے تھے، صدر محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے دست مبارک سے انعامات وصول کئے گئے، پھر ان کا خطاب ہوا، جس میں انہوں نے ان اسباب اور وجوہات پر روشنی ڈالی جن سے مسلمانوں کو طرح طرح کے مصائب کا دنیا بھر میں سامنا کرنا پڑ رہا ہے، انہوں نے اپنا اپنا حال درست کرنے، اپنا اپنا محاسبہ کرنے، اپنا اپنا جائزہ لینے کو کہا، عقیدہ کی حفاظت، ظلم سے اجتناب، ناجائز کاموں سے پورا پرہیز کرنے کو کہا، اور فرمایا کہ اللہ کی نصرت والے کام کئے جائیں تو اللہ کی نصرت آکر رہے گی، ورنہ ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔

حضرت مولانا مدظلہ کی تقریر کے بعد جس کا سامعین پر بڑا تاثر تھا بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب نے خطاب فرمایا جس میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر ایک کو زندگی گزارنے کو کہا کہ اسی میں کامیابی کا انحصار ہے، دیگر علماء و قائدین میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی، مولانا عبدالوہاب خلجی، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، جناب ظفریاب جیلانی، جناب شکیل صمدانی کے پرزور خطابات ہوئے، ان میں سے ہر خطاب اپنی اپنی جگہ بڑا ہی طاقتور، مؤثر اور ملت کی ترجمانی کرنے والا تھا، جناب موسیٰ رضا صاحب نے بھی خطاب کیا، مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے پوری اسلامی تاریخ کا جائزہ پیش کرتے ہوئے موجودہ حالات کے تناظر میں اسلام کے دفاع کرنے کے بجائے اسلام کو تمام مسائل کا حل پیش کرنے والا بتایا، کہ جو قوم اور جو ملک اسلام کو بطور تہذیب و مذہب کے اختیار کرے حقیقی اور ابدی کامیابی اسی کو حاصل ہوگی، اس تاریخی اجلاس عام کا اختتام مولانا کی ہی دعا پر ہوا، دعا کیا تھی یقین وتوکل ایمان باللہ اور اعتماد علی اللہ کا کھلا مظہر تھی، جلسہ کی ایک خاص بات ننھے منے بچوں کا معصومانہ انداز میں خدمت دین و خدمت خلق کے لیے اپنے کو وقف کرنے کا اشعار میں اظہار تھا، ان کی معصومانہ اداؤں نے دلوں کو پگھلا دیا، مولانا قاضی فاروق صاحب بھٹکلی

نے اطراف کے بیرون ملک مقیم آئے ہوئے حضرات کی طرف سے بھرپور نمائندگی کرتے ہوئے خطاب کیا، جب کہ مولانا عبدالباری ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے کلمات تشکر دل کی گہرائیوں سے ادا فرمائے، اور مولانا عبدالعلیم قاسمی بھٹکلی نے بھی حصہ لیا، مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی نے نظامت کی، اور اس کا حق ادا کردیا، وہی پورے اجلاس کے روح رواں رہے، کچھ کتابوں کا رسم اجراء بھی ہوا، برادر نعمت اللہ بھٹکلی کی چار کتابیں، برادر شجاع الدین کی کتاب اور برادرم ارشاد افریقہ ندوی کی دعاؤں سے متعلق کتاب کے علاوہ شاعر بھٹکل جناب محمد حسین فطرت بھٹکلی کی کتاب مضامین فطرت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی میں:

اہل بھٹکل کا ایک بڑا کارنامہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی کا قیام بھی ہے جس کے ذریعہ بڑے پیانہ پر دعوتی کام خصوصاً تعارف اسلام کا کام انجام دیا جارہا ہے، جس کے لیے نت نئی تدبیریں اور طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، مقابلے کرائے جاتے ہیں، امتحانات کا سلسلہ اختیار کرکے انعامات رکھے جاتے ہیں، چنانچہ بڑے جوش وجذبہ سے ہندو، سکھ عیسائی سبھی حصہ لیتے ہیں، اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

اکیڈمی میں ایک روز عصر بعد مہمانوں کے لیے خصوصی پروگرام بھی رکھا گیا، جس میں مہمانوں نے پہلے تو اکیڈمی کا معائنہ کیا، اور مختصر مدت میں اس کے عظیم کام کا مشاہدہ کرکے سبھی حیران ہوئے، جب تأثرات بیان کرنے کی باری آئی تو مولانا عمیدالزماں کیرانوی قاسمی نے پوری صاف گوئی سے کہا کہ جس ہستی کے نام یہ ادارہ منسوب ہے میں ان کا بلاواسطہ شاگرد نہ سہی بالواسطہ شاگرد اور خوشہ چیں ضرور ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی سے ہی میں ان کا فریفتہ تھا اور ان کی کتابوں کا دلدادہ تھا، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی نے اکیڈمی کی دعوتی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس کو ندوۃ العلماء کا فیض قرار دیا، اور یہاں والوں کی ندوہ اور اس کے اکابرین سے گہری وابستگی کو بڑا سبب بتایا، جناب موسیٰ رضا صاحب نے اکیڈمی کے روح رواں مولانا محمد الیاس بھٹکلی کی خدمات کو خصوصیت سے سراہا، جناب یوسف حاتم مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ اور حضرت مولانا مدظلہ نے بھی خطاب کیا، مولانا محمد الیاس بھٹکلی صاحب نے جامعہ کا تعارف پیش کیا، اور اس پلان کا ذکر کیا کہ اکیڈمی کے دائرہ کو وسیع تر کرکے اوپن یونیورسٹی کا مقام دلانا ہے، اس ضمن میں انہوں نے موسیٰ رضا صاحب اور سید حامد صاحب، کے رحمٰن خاں صاحب ڈپٹی چیئرمین راجیہ سبھا کے خصوصی تعاون کا ذکر کیا، مولانا مقبول ندوی استاد جامعہ اسلامیہ نے جلسہ کی نظامت کی۔

اوپن یونیورسٹی:

مولانا ابوالحسن علی ندوی اوپن یونیورسٹی اہل بھٹکل کا ایک دیرینہ خواب ہے جس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آپڑا، ۱۰؍فروری ۲۰۰۹ء کو اکیڈمی کے قریب بلکہ متصل ایک قطعۂ آراضی میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے اس پلان کی کامیابی کے لیے دعا کرائی حضرت مولانا نے بڑے انشراح وبشاشت سے اس منصوبہ کی تکمیل کے آثار ظاہر فرمائے، سبھی حاضرین پر ایک خاص کیفیت طاری تھی کہ اللہ اس جگہ سے ایک دوسرا بڑا کام لینے جارہا ہے۔ **اللھم زد فزد.**

اجلاس کے بعد:

جس مقصد کے لیے سفر کیا گیا ہو وہ پورا ہوجائے تو اسلامی تہذیب وآداب میں یہ ہے کہ رخت سفر باندھ لیا جائے، کچھ ارکان تو عاملہ کے جلسہ کے بعد ہی روانہ ہوگئے تھے، اور اجلاس کے بعد تو ایک ایک کرکے ۲۴ گھنٹوں کے اندر سبھی روانہ ہوگئے، بعض مصلحتوں وضرورتوں کے پیش نظر حضرت مولانا کا قافلہ مزید ایک دو دن رُک گیا تھا کیوں کہ حضرت مولانا کو بعض اہم ملاقاتیں کرنی تھیں، تعزیتوں میں جانا تھا، اور جامعہ اسلامیہ کی شوریٰ سے خطاب کرنا تھا وہ یہاں سے دس فروری کو روانہ ہوئے۔

اصل تہذیب ''مذہب اسلام''

(جس کو آخری پیغمبر ﷺ لے کر آئے)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

دعوت وجدوجہد کی چیز دراصل صحیح اور غیر فانی مذہب ہے جس کو اللہ کے پیغمبر ہر ملک اور ہر دور میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور دائمی طور پر لے کر آئے، انہوں نے اس کے ذریعہ سے انسانوں کو دنیا اور آخرت کی فلاح کا پیغام دیا، خالق سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا، توحید خالص کا سبق پڑھایا، حساب کتاب کی اخروی زندگی کا منتظر بنایا، نیکی اور بدی کے معین حدود بتلائے اور اخلاق ومعاشرت وحقوق باہمی کے وہ بے خطا اصول و ضوابط عطا کئے جن پر ہر دور میں حیات انسانی کی تنظیم ہوسکتی ہے اور مدنیت صالحہ وجود میں آتی ہے، ان کے احکام پر عمل کرنے سے خود بخود ایک زندگی پیدا ہوتی ہے جو افراط وتفریط اور ہر طرح کی بے اعتدالیوں سے پاک ہوتی ہے، ایک معاشرہ قائم ہوتا ہے جو امن وسکون، اطمینان قلب، اشتراک و تعاون اور اعتدال وتوازن کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اس کی بنیادیں ٹھوس لیکن اس کی فضا وسیع ہے۔ اس میں فولاد کی طرح بیک وقت صلابت اور لچک دونوں موجود ہیں یہ وہ زندگی اور معاشرہ ہے جس پر کسی قوم ونسل کی چھاپ اور کسی قومیت اور وطنیت کا ٹھپہ نہیں۔ یہ انسانیت کی دولت مشترکہ ہے جس میں کسی قوم اور ملک کی اجارہ داری نہیں، اس سے نہ چین کو انکار ہوسکتا ہے نہ ہندوستان کو عار، نہ ایران کے لئے وحشت کی کوئی وجہ ہے نہ یورپ کے لئے گریز کی کوئی راہ، پر امن اور کامل زندگی کے لئے اس کے سوا کوئی نمونہ ہی نہیں۔

آپ کا جی چاہے تو آپ اس زندگی کو بھی تہذیب کہہ سکتے ہیں جو ان عقائد واحکام سے وجود میں آئی ہے لیکن آپ اس کو عربی تہذیب یا ایرانی تمدن نہیں کہہ سکتے اس کو کسی ملک اور قوم اور اس کے طرز تعمیر اور فنون لطیفہ سے دلچسپی نہیں اور وہ کسی قومی تمدن یا ملکی تہذیب کی نمائندہ اور وکیل نہیں، ہر ملک میں اس کا تجربہ کیا جاسکتا ہے اور ہر قوم اس کو اپنا سکتی ہے مٹ جانے والے تمدنوں پر اس کی بنیاد نہیں، ایمانیات وعقائد اور غیر متبدل حقائق پر اس کی بنیاد ہے جو نبی دنیا میں لے کر آئے، اس لئے اس کے مٹنے اور دوبارہ زندہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

''ضرورت ملک وقوم کی سطح پر ایک اسلامی معاشرہ کی ہے جو دنیا کے لئے نمونہ بن سکے اور لوگوں کو دعوت فکر اور دعوت انقلاب دے، اسی لئے نبی کی بعثت کے ساتھ...... ایک پوری امت کی بعثت عمل میں آئی...... اس دعوت اور اس امت نے ایک ایسے آزاد، معیاری ومثالی اسلامی معاشرہ کا نمونہ پیش کیا جس کے نمائندے کسی پہاڑ کی چوٹی یا کسی جزیرہ میں الگ تھلگ زندگی نہیں گذار رہے تھے، ان کے ساتھ حکومت کی ذمہ داریاں بھی تھیں، دولت بھی تھی، طاقت بھی تھی، تجارت اور ذرائع معاش بھی تھے، اور باہر کی دنیا سے تعلقات بھی، انھوں نے زندگی کا ایک نیا نقشہ کامیاب بنا کر پیش کیا۔ دنیا اسی وقت توجہ اور غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے جب پورے معاشرہ کی سطح پر، پورے تمدن کی سطح پر، عالمگیر اسٹیج پر (جس پر تمام دنیا کی نگاہیں پڑتی ہیں) صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے، اور قوموں اور ملکوں کی نگاہیں یہ اندازہ لگاسکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کرتا ہے، اور اللہ کے یہاں سے آئی ہوئی روشنی اور ہدایت کا نور اس کی زندگی کو اس طرح چمکاتا اور سنوارتا ہے، شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں، کس طرح کے اخلاق پیدا کرتی ہیں، جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک انسانیت کیا، انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کنبہ اور عالم انسانی کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔''

حقیقی اتحاد ـــــ قرآن ہی سے ممکن

ڈاکٹر حسین بعدرانی
(دمشق)

پانچویں صدی ہجری کے بعد کا زمانہ مذہبی کشمکش میں ''ممتاز'' رہا ہے، اس کشمکش نے امت مسلمہ کی کوششوں کو ایسے رخ پہ ڈال دیا جو بے سود رہا، اس کا فائدہ نہ تو اجتماعی زندگی میں ہوا اور نہ تہذیبی، سیاسی اور عملی میدانوں میں نفع بخش ثابت ہوسکا، اس کے برعکس پوری قوم فکری پستی اور عقلی جمود کا شکار ہوگئی، مختلف باہم دست وگریباں فرقوں میں تقسیم ہوئی اور بحیثیت امت وحدت اپنے بنیادی مسائل سے دور ہو کر ذیلی مذہبی امور میں الجھ کے رہ گئی۔

ہر فرقہ وجماعت نے خود کے برحق ہونے کا دعوی کیا گویا صرف خاص وہی جماعت زندگی کے اسٹیج پر کردار ادا کرنے کا مستحق ہو۔ مثال کے طور پر حنابلہ نے خود کو اسلامی معاشرہ میں دیگر مسلمانوں کا محتسب قرار دیا، کہ بس وہی اسلام کی صحیح سمجھ رکھتے ہیں اس لئے دین کی پاسبانی کا حق بھی صرف انہی کو حاصل ہے۔ یہاں تک کہ جب بعض دوسری جماعت نے ان کے ''دینی فہم'' سے بغاوت کی تو انہوں نے عوام الناس کو ان کے خلاف سڑکوں پر، مدرسوں میں اور مختلف مجلسوں میں ابھارا۔ ابن عساکر نے اپنی کتاب "تبيين كذب المفتري فيما نسب للإمام أبي الحسن الأشعري" میں اس صورت حال کی جانب اشارہ کیا ہے، اسی طرح محمد حسین الذہبی نے بھی اپنی کتاب "التفسير والمفسرون" میں مذہبی عصبیت اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان اختلاف پیدا ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الگ الگ مذاہب فکر کے پیروکار اپنے ائمہ وپیشوا کے فرمودات کو ایمان ویقین کی نظر سے دیکھنے لگے نتیجتاً انہوں نے اپنی ساری کوششیں ان کے اقوال کی تائید ودفاع اور ترویج میں جھونک دی اور اس کے مقابلہ میں آنے والی ہر جماعت کو باطل پرست قرار دینے میں قوتیں صرف کیں۔ پھر جب آیات احکام کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کی تاویل بھی اپنے مذہب وجماعت کے حساب سے کرنے لگ گئے۔

اسی مذہبی عصبیت نے ان تمام لوگوں کے خلاف ایک فکری دہشت گردی کو جنم دیا جو اس خاص مذہب سے ہٹ کے سوچنے لگے یا دیگر مذاہب کے تئیں وسعت قلبی سے کام لیا ان پر لامذہب بلکہ بسا اوقات منافق ہونے کی مہر لگادی گئی تا آنکہ اس خاص مذہب کی پیروی ہی اصل ہوگئی اور کتاب وسنت کی اتباع محض فرعی شئی قرار پائی، اور اس طرح مسلمانوں کا بلاواسطہ رشتہ قرآن وسنت سے کٹ گیا اور وہ صرف خاص فرقہ کی تالیفات پر جم گئے اس جماعت کے پیروکار کا یہ عقیدہ بن گیا کہ مؤلفین نے جو کچھ لکھ دیا وہی قرآن وسنت کی صحیح مطلق فہم ہے، بعض نے ان مؤلفین کو شیخ الاسلام، سلطان العلماء، امام الأئمہ، حجۃ الأئمہ اور جروعلامہ جیسے بڑے بڑے القاب سے نوازنے لگے۔ ان کے لئے تعریف کے پل باندھے تا آنکہ ان فرقوں کے طبقات شائع ہونے لگے جیسے طبقات حنابلہ اور طبقات شافعیہ وغیرہ۔

مذہبی عصبیت کی وجہ سے پہلا نقصان تو یہ ہوا کہ فکری تنوع اور اجتہاد واصلاح کے راستے بند ہوگئے اور دوسرا نقصان یہ ہوا کہ تعصب پرستوں نے خود کو ظلمت کے سرنگ میں چھپالیا۔ تیسرا نقصان یہ ہوا کہ وہ زندگی، معاشرتی ماحول اور حقیقت پسندی سے دور ہوگئے، عقل وفہم کے چشمے خشک ہوگئے، مذہب کی گاڑی حاشیوں اور پھر حواشی کے حواشی، متن کی شروحات اور پھر شروحات کی شرحیں بلکہ مختصرات اور پھر ان کی مختصرات کی تلخیص پر رک گئی، اور امت مسلمہ کی وحدت کا شیرازہ پارہ پارہ ہوگیا۔

شیخ محمد الغزلی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "كيف نتعامل مع القرآن الكريم" میں یہ بتایا ہے کہ امت اسلامیہ اور اس کی وحدت کی حفاظت کے لئے نجات کی راہ بس یہ ہے کہ قرآن کی طرف واپسی کو ممکن بنایا

جائے اور اس کے کئی مراحل ہیں۔ شیخ غزالی کی تحریر میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ بعض مذاہب کے پیروکار اپنی جماعت کو قرآن کی طرح مقدس ماننے لگ گئے، ہم پوچھتے ہیں کہ تقدس کی وہ چادر جو بعض حضرات نے مذہبی ورثہ یا اس ورثہ کے پیدا کرنے والوں پر چڑھا دی ہے کیا وہ قرآن کے تقدس کی ہمسری کر سکتی ہے؟ کہیں یہ تقدس کسی تہذیبی یا تربیتی عمل کا نتیجہ تو نہیں جس کی جڑیں فکر اسلامی کی زمین میں گڑی ہوں اور صدی درصدی تربیت کے طریقوں سے محکم اور مبتدل کے درمیان تمیز پیدا کرنے والی قوت کو ختم کرنے کے لئے محنت کی گئی ہو، یا دوسرے لفظوں میں اس تمیز کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہو کہ قرآن کیا ہے اور انسانی فہم کیا ہے؟

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ پہلے ہم خود سے قرآن پڑھنا شروع کریں اور خود سے اس کو سمجھیں، اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی پر ویسے ہی لاگو کریں جیسا ہم نے اس کو پڑھا اور سمجھا ہے اور قرآنی فہم سے مانوس ہونے کے لئے ہم دوسروں کے فہم سے استفادہ کر سکتے ہیں، البتہ قرآن کو سمجھنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان سے لیس ہونا لازمی ہے مثلاً فقہی، لغوی، علمی اور تاریخی معلومات وغیرہ۔ کیونکہ نتیجتاً ہمارا محاسبہ ہماری فہم اور عمل کی بنیاد پر ہی ہوگا نہ کہ دوسروں کے فہم کی بنیاد پر۔

قرآن فہمی کے پہلے مرحلہ کے طور پر تفاسیر کو صرف انسیت پیدا کرنے کے لئے پڑھا جائے، اس سے ایسی نسل پیدا ہونے کی راہ ہموار ہوجائے گی جو قرآن پڑھنے، اس کو سمجھنے اور نتیجہ اخذ کرنے پر قدرت رکھے گی نہ کہ ایسی نسل تیار ہوگی جو صرف ٹیپ رکارڈ کے مانند بس وہی حاصل کرتے جو اس کو بتایا جائے۔

شیخ غزالیؒ مزید لکھتے ہیں کہ امت اسلامیہ کے اندر خود پسندی پیدا ہوگئی اس لئے پہلے کتاب اللہ کو چھوڑ کر سنت کی طرف متوجہ ہوئی، پھر سنت کو چھوڑ کو ائمہ کے اقوال کے ہو کے رہ گئے، اور بالآخر ائمہ کے اقوال کو بھی چھوڑا اور متون کے مؤلفین کے گرویدہ ہوگئے، لہذا ہم نے ازہر میں مذہب مالکی کو دردیری یا عشاویہ کے متون سے پڑھا، فقہ حنفی کے لئے نور الایضاح اور قدوری کا سہارا لیا، شافعیہ کو سمجھنے کے لئے الغایہ اور التقریب سے استفادہ کیا، اس طرح کے شاندار فقرے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں کیونکہ ان میں اس شخص کے لئے نہایت اہم رہنمائی موجود ہے جو اندھی مذہبی عصبیت کے غار سے نکل کر وحدت امت کے وسیع میدان میں آنا چاہتا ہو۔

ہمارے ائمہ کے علاوہ دیگر ائمہ مثلاً امام ابن تیمیہؒ وغیرہ نے بھی اپنے زمانہ کے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کو ایک طرح کی کہانت سے تعبیر کیا ہے جس پر اللہ تعالی کا قول 'اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله' صادق آتا ہے، مزید فرماتے ہیں کہ اس طرح کی جماعتوں کا قرآن سے بس اتنا تعلق ہے کہ وہ بلا سمجھے تلاوت کر لیتے ہیں، ایسی جماعتوں کو تفکیری امیت کا شکار گردانا ہے۔ ایسی ہی جماعت کے لئے اللہ تعالی کا قول ہے "**ومنهم أميون لا يعلمون الكتاب إلا أماني و إن هم إلا يظنون**" (البقرہ:۷۸)۔

ماضی کی تاریخ بتاتی ہے کہ اسی طرح کی مذہبی عصبیت نے لوگوں کو اس بات پر اکسایا کہ وہ قرآن وسنت کے بجائے اپنے مذہبی رہنماؤں کو دینی امور میں حکم قرار لیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے خود غرض افراد نمودار ہوگئے جو محض اپنی خواہشوں کی تکمیل میں دلچسپی رکھتے تھے، اور صاحب جاہ وثروت اور بادشاہ وقت سے قربت حاصل کرنے کی خاطر آپس میں مقابلہ آرائی کرنے لگے، اس طرح ان کے درمیان مکروفریب اور آپسی رسہ کشی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہ تو سیاسی اثرات کا تذکرہ ہوا اس کے علاوہ اس سے معاشرتی، اقتصادی اور تہذیبی اثرات بھی پیدا ہوئے جس نے امت کی وحدت کو بری طرح متاثر کیا۔

ہماری دعوت ہے فقہ جدید یعنی نئی سمجھ کی جو کتاب وسنت کی طرف واپسی پر منتج ہو سکے، تا کہ ہماری نسل کو اس کا ادراک ہو کہ ہمارے پاس جو فقہی ورثہ پہنچا ہے اس کے بعض حصہ میں انحراف واختلاف اور پستی کی جڑیں مخفی ہیں اور یہ ایسے وقت میں ہوا جب اجتہاد، تجدید اور اصلاح کے اصول قائم کئے گئے، ہماری نسلوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ سماجیات کے اس ورثہ کے ڈھیر کو کھنگالے جس میں فقہی مذاہب، فرق صوفیاء اور باطنیہ جیسی جماعتوں کے اقوال نیز فلسفیانہ رجحانات کا امتزاج ہوگیا ہے اور اس ورثہ میں نامانوس اور ضرر رساں

دخیل کو دور کرے اور نفع بخش صحیح مسئلہ کو باقی رکھے، اور پورے دینی اثاثہ کو تحریف و تبدل کے غبار سے پاک کرے، حقیقت کی صورت اجاگر کر کے اسلام کا منور چہرہ پیش کرے۔ لوگوں کے دل ودماغ میں اس ورثہ کی صحیح قیمت کو ثابت کیا جائے اور حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کی غرض سے ہمہ گیر اور مطلوب طریقہ سے تمام ورثہ کا مطالعہ کیا جائے تا کہ لوگوں کی زندگی میں اس کی صحیح وقعت معلوم ہو سکے، اصلاح امت کی کوشش اور از سر نو زندگی کی شروعات ہو تا کہ امت کی شیرازہ بندی کے ذریعہ انسانی تہذیب کی تعمیر میں دوبارہ سے حصہ لے سکیں۔

ان نسلوں میں سے علماء اس ذمہ داری کو اٹھائیں اور افراد سازی اور افکار کی خدمت کے وقت اس کا خیال رکھیں کیونکہ جماعت علما ہی زندگی کے حقیقی مسائل کو حل کرنے اور قومی اداروں اور انجمنوں کی تعمیر اور چیلینجز کا مقابلہ کرنے اور نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے حل کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

مالک بن نبی فرماتے ہیں کہ ''معاشرہ تین بنیادی عناصر سے مل کر تیار ہوتا ہے: عالم افکار، عالم اشخاص اور عالم اشیاء'' اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ یہ تینوں عناصر باہم معین طریقہ پر مربوط ہوتے ہیں البتہ زمان ومکان کے اختلاف کے ساتھ ان میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور اسی ربط کی نوعیت کے اعتبار سے افراد اور جماعتوں کے درمیان معاشرتی تعلقات وغیرہ کا تانا بانا تیار ہوتا ہے۔ اور سماج میں تعلقات اور رشتوں کا محور وجود میں آتا ہے، سوچ وفکر کا اتحاد پیدا ہوتا ہے۔

کردار اور قدروں کے مراحل طے پاتے ہیں جو معاشرہ میں باہم سلوک کا رخ طے کرتے ہیں، اور معاشرہ سب سے زیادہ تندرست تب ہوتا ہے جب عالم افکار کے ساتھ ربط گہرا ہوتا ہے اور ایسا محور بن جاتا ہے جس کے اردگرد معاشرہ کے افراد کے سلوک وعادات اور ان کے باہمی تعلقات گردش کرتے ہیں۔ معاشرہ کی سیاستیں بھی اسی عالم افکار میں طے پاتے ہیں۔ عالم اشخاص واشیاء، عالم افکار کے دائرہ میں گردش کرتے ہیں، ایسی حالت میں عالم افکار کا بول بالا ہوتا ہے اور قیادت کی باگ ڈور معاشرہ کے ایسے صاحب عقل وفراست کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جو چیلینجوں کا صحیح فہم رکھتے ہیں، وہی شرعی سیاست کے میدان میں فیصلہ کرتے ہیں ان کی فکر سلیم اور فہم وعقل پختہ ہوتے ہیں، ترجیحات کی مکمل سمجھ رکھتے ہیں، موازنے اور ترجیحات کا شعور رکھتے ہیں، صورتحال کا ٹھیک ٹھیک ان کو اندازہ ہوتا ہے اور مستقبل کے بارے میں ان کی عقل وفہم دھوکہ نہیں کھاتی، معاشرہ کے افراد، جماعتیں اور قیادت سب کی توجہات بڑے بڑے خارجی وداخلی عمومی مسائل کے اردگرد گردش کرتے ہیں جسے ہم 'فقہ امت' سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی مطلوب ہے تیاری اور قربانیوں سے۔

لیکن جب ربط عالم اشخاص کے ساتھ گہرا ہوتا ہے اور ایسا محور ہوتا ہے جس کے دائرہ میں عالم افکار واشیاء گردش کرتے ہیں تو پھر معاشرہ میں ایسے افراد کو فوقیت حاصل ہوجاتی ہے جو طاقت وقوت اور جاہ وثروت میں ممتاز ہوتے ہیں، اور پورا سماج اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے، پھر ایسے افراد افکار واشیاء کو اپنی ذاتی مصلحتوں کے لئے استعمال کرتے ہیں اور سوچ کا دائرہ خاندان، رشتہ دار اور علاقہ پرستی سے آگے نہیں بڑھتا نتیجتاً فہم وفکر میں سطحیت اور تنگی پیدا ہوجاتی ہے، تمام کوششیں ایسے مسائل کے اردگرد گھومتی ہیں جو آپسی مقابلہ آرائی پر ابھارتے ہیں، اور بڑے مسائل (یعنی فقہ امت) کے لئے وہ دائرہ تنگ پڑ جاتا ہے۔ اور جب ربط عالم اشیاء کے ساتھ گہرا ہوتا ہے وہی محور حیات بن جاتا ہے تو عالم افکار واشخاص ''اشیاء'' کے دائرہ میں گردش کرتے ہیں اور بالا دستی ارباب جاہ وثروت، صاحب تجارت اور شہوات پرستوں کو حاصل ہوجاتی ہے، معاشرہ میں صارفیت اور عیش پسندی کی تہذیب غالب آجاتی ہے، معاشرتی تعلقات کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ افکار اور قدریں بکاؤ اشیاء یا صارفیت کے مادوں سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتے، ایسی حالت میں فکر وفہم کا سلسلہ رک جاتا ہے اور عقل وادارک اپاہج ہوجاتے ہیں، معاشرہ کے افراد اپنی ضرورتوں اور روزمرہ کی چیزوں میں مشغول ہوجاتے ہیں، اور پورا سماج آخری سانسیں لینے لگتا ہے، کیونکہ افکار کی موت دراصل ان تمام بنیادوں کی موت ہے جس پر قوم ومعاشرہ کی تہذیب کھڑی رہتی ہے، ایسے معاشرہ سے موت کی بو آنے لگی ہے اور قوموں کے ظالم افراد وہاں ایسے کھنچے چلے آتے ہیں جیسے چھوٹے چھوٹے درندے مردہ بیل کے پاس چلے آتے ہیں تا کہ اس کا گوشت نوچ کر کھائیں اور اس کے تمام اعضاء کو کاٹ کاٹ کر الگ کردیں، جبکہ اس

بیل کی زندگی میں ان درندوں پر اسے دیکھتے ہی خوف و دہشت چھا جاتی تھی کیونکہ تب وہ زندگی سے پر اور حرکت ونشاط سے لبریز ہوا کرتا تھا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں علماء کے پیغام کے بگاڑ سے پیدا ہونے والے نتائج واثرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جہاں ایسے فکری اور نفسیاتی امراض پیدا ہو جائیں کہ لوگوں کے درمیان علماء کے پیغام معطل ہو جائیں تو اس میں سب سے بڑا نقصان امت کی وحدت کو پہنچتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں علماء کی بعض جماعت کے نزدیک علم محض ذاتی اغراض کے حصول کا ذریعہ بن چکا ہے، وہ علم کو حاصل کرنے کی دوڑ میں لگتے ہیں لیکن عملی طور پر نافذ کرنے میں توجہ نہیں دیتے وہ اپنے علم کو محض شہرت کے لئے بطور زینہ استعمال کرتے ہیں، اور خود پسندی اور عجب کا اظہار کرتے ہیں، اس خود پسندی کو دین کی عزت اور علم کی شرافت کی بالادستی سے تعبیر کرتے ہیں، بادشاہان وقت سے تحائف کے حصول کی لالچ میں ان کے سامنے بچھے جاتے ہیں، اپنے اعتبار سے خوب کوشش کرتے ہیں، اپنے ممدوح سے طلب کی شہوت ان میں ہمیشہ باقی رہتی ہے اور کثرت تالیف سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

دوسری جماعت وہ ہے جس نے ایک خاص قسم کے علم پر ہی اکتفاء کرلیا ہے جسے وہ علم فقہ اور علم مذہب کہتے ہیں اور اسی علم کو حاصل کرکے بڑے نازاں رہتے ہیں، اخلاق وعلاقات کا علم اور نفسیات فہمی کو مہمل سمجھ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں، علم کلام اور مناظرہ میں خواہشات کی تکمیل کی غرض سے مشغول ہو جاتے ہیں۔ کچھ باہمی رسہ کشی اور آپسی حسد کی خاطر وعظ ونصیحت میں لگ جاتے ہیں۔ بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو علم حدیث سے اشتغال رکھتے ہیں لیکن اس سے ان کا مقصد غریب سندوں کو تلاش کرنا ہوتا ہے اور معانی حدیث کی فہم سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ بعض حضرات وہ ہیں جو زبان ولغت کے علوم ایک خاص مقصد کے لئے حاصل کرتے ہیں لیکن علوم لغت کو قرآن وسنت میں موجود معانی ومفہوم کو نکالنے کے لئے بطور وسیلہ استعمال کرنے میں ان کی دلچسپی نہیں ہوتی۔ (مترجم: ضیاء اللہ ندوی)

❁ ❁ ❁

شہرِ بھٹکل میں منور نیّرِ اسلام ہے

اقبال سعیدی بھٹکلی

خوب ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کا اقدام ہے
ہر مسلماں کے لئے یہ باعث اکرام ہے

''جامعہ'' میں محفل دانشوران دین ہے
شہر بھٹکل میں منور نیّر اسلام ہے

شمع حق، آئین ملت کے تحفظ کے لئے
متحد ہوکر مسلسل جہد پیہم عام ہے

پیش کرتی ہے وفاداری اخوت کی دلیل
بے وفائی کا نہ جانے ہم پہ کیوں الزام ہے

یہ جو ربط باہمی ہے کارنامہ ''بورڈ'' کا
ملک و ملت کے لیے اِک بے بہا انعام ہے

جذبۂ ایثار دل میں، لب پہ نغمے امن کے
ہر افق کا جبکہ منظر آج خوں آشام ہے

جانے کیوں ہے بے گناہوں پر مظالم ہر طرف
جانے کیوں فرزند ملت ہی یہاں بدنام ہے

ہم کو حاصل ہو ہمارا حق ہمارے دیس میں
رب العزت تجھ سے بندوں کا یہی پیغام ہے

ہو نہ پائیں پھر کہیں پامال بندوں کے حقوق
یہ میرا اعلان اے اقبالؔ اذن عام ہے

❁ ❁ ❁

منبر مسجد ایک طاقتور ذریعۂ ابلاغ

از: مفتی محمد ارشد فاروقی

مسلمانوں کے پاس سب سے زیادہ طاقتور ذریعہ ابلاغ ''خطبہ جمعہ'' ہے بشرطیکہ اس کی روح ومعنویت کا کھویا ہوا مقام اسے مل جائے اور اسم ورسم کے قالب کو حقیقت کا آئینہ دکھایا جائے۔

پورے ہندوستان میں کچھ خطباء کتاب دیکھ کر پڑھتے ہیں تو دیگر رٹے رٹائے خطبے پڑھتے ہیں بندھے ٹکے جملے متعین آیتیں اور اختتامیہ کہ سامعین آخری جملہ سنتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں جس کے باعث نمازیوں کی خاصی تعداد مسجد کے اندر خطبے کے بعد داخل ہوتی ہے کہ ان کی تسکین کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔

شعبان کے مہینے میں ایک خطیب محرم کے فضائل پر مشتمل خطبہ پڑھ رہا تھا نماز کے بعد راقم نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ کیا یہاں محرم کا مہینہ چل رہا ہے انہوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا یہاں پورے سال محرم رہتا ہے جبکہ خطیب دیکھ کر پڑھ رہے تھے وہ ہمیشہ یہی خطبہ پڑھتے۔

مسلمان کسی درجے کا کیوں نہ ہو جمعہ پڑھنے کے لئے ضرور آتا ہے ہر سطح ومرتبہ کے لوگ شہر وگاؤں کے رہنے والے محنت مزدوری کرنے والے اعلیٰ عہدہ ومنصب والے سب جامع مسجد میں جمع ہوتے ہیں وقت بھی مختصر ومحدود ہوتا ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ خطبہ مختصر ومفید ہو حالات کے مطابق معیاری پیغام ہو نگلک پیچیدہ طویل غیر مرتب نہ ہو۔

خطیب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ خطبے میں سامعین کی عقل وفہم کے مطابق مضامین کا انتخاب کرے، اخلاق کی درستگی، نفس کی تربیت، نظم وضبط کی تلقین، فساد کے خلاف جذبہ جہاد پر مبنی خطبے ہوں اس طرح کے مشتملات سامعین کی ذہن سازی میں معاون ہونگے پھر کسی اعلیٰ مقصد کے لئے تیار کرنا آسان ہوگا۔

خطبے میں سامعین کے احساسات و جذبات ان کی بڑھتی ہوئی معاملات کے تئیں حساسیت، ترقی کرتی ذہنیت کا لحاظ از حد ضروری ہے، زمانہ واحوال جگہ ومقام سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے، خطبہ کی اہمیت و رائے عامہ کی تشکیل کے باعث اس کے شرائط کڑے ہیں۔ خطیب احوال و تقاضے کے مطابق حسب استطاعت تقوی وپرہیزگاری کی پاسداری کرتے ہوئے جو مناسب حال ہو کہے، اللہ کے علیم وخبیر ہونے کا عقیدہ متحضر ہو یقیناً وہ سر وخفی سے آگاہ ہے اور قیامت کے دن حساب کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اسلامی سیاست کا مصداق حکمراں طبقے کے معاملات مسائل پر گفتگو کرنا اور اس میں دلچسپی لینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کا نظام کے مطابق ڈھالنا ہے تا کہ رب کائنات کے مطالبہ کے مطابق دنیا کی بہتر تعمیر ہوسکے۔ اور دنیوی زندگی خوشگوار سعادت سے ہمکنار ہو دنیا و آخرت کی بہترین کھیتی بنے اور آخرت کے عظیم اجر وثواب کی سعادتِ عظمی حاصل ہو۔

اس لحاظ سے سیاست کا مفہوم بہت وسیع ہے اسلام کا معاشرتی اقتصادی، انتظامی، تعلیمی، تجارتی وصنعتی، صحت وریاضت کے امور اور فنی وتکنیکی نظام اسلامی سیاست کے حصے ہیں۔ کیونکہ کسی ایسے نظام کا مسلط کرنا جس سے لوگ آشنا نہ ہوں اس کے گرویدہ نہ ہوں اس کی باریکیوں، دقیقہ سنجیوں اور حکمتوں سے واقف نہ ہوں اسے قبول کرنے کے لئے ان کے ذہن تیار نہ ہوں تو وہ کسی وقت برگشتہ ہوسکتے ہیں دنیا وآخرت تباہ کرسکتے ہیں

اس لئے جامع اسلامی نظام کا تعارف خطبہ جمعہ کے ذریعہ ذہن سازی کے لئے ناگزیر ہے۔

خطبہ کے ذریعہ اعلیٰ اسلامی اخلاق سچائی، امانت، عدل وانصاف، تعاون سے سامعین کو باخبر کرنا اوران کی زندگی کو اس شاہ راہ پر گامزن کرنا اس لحاظ سے ضروری ہے کہ ایسا معاشرہ یا انتظامی ڈھانچہ جو فریب و دھوکہ، کبر و انانیت، کینہ وحسد، بغض وعناد، ظلم وزیادتی سے لت پت ہو قیادت وسربراہی کی صلاحیت سے محروم ہوگا یہ باتیں زمانے میں پنپنے کی نہیں ہیں۔

خطبہ جمعہ کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ جس شعبہ حیات سے وابستہ ہوں اس سلسلے کی اسلامی ہدایات سے بخوبی واقف ہوں اور متعلقہ شعبے کے اندر اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے پر حکمت اسلوب میں کوشاں رہیں۔ یہ بھی اسلامی سیاست کا حصہ ہے۔ اور ہر عہدہ دار اپنی جگہ حکومتی نظام کا جزء ہے۔ بالخصوص مسلم ممالک کے خطباء اور ذمہ داروں ارباب حکومت کی ذمہ داری دو چند ہے۔

خطبہ ملک کے امن وامان قائم رکھنے، فساد وبدامنی اور اس کے ذرائع سے دور رکھنے اور حقیقی دہشت گردی کے خاتمے واستیصال میں مؤثر ہوسکتا ہے جس کے ذریعہ انسانی حقوق کا تحفظ عزت وآبرو کی حفاظت ہوسکتی ہے مال ودولت کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

خطبہ ذہن سازی افراد سازی ماحول سازی کے ذریعہ مامون پائدار اسلامی اسٹیٹ کے قیام کا بڑا محرک ہوسکتا ہے۔

خطیب پہلے تیاری کرے اور تیاری خطیب کے علم وتجربہ پر منحصر ہوتی ہے قادر الکلام خطیب کے لئے چند ثانیے میں موضوع سے متعلق آیات واحادیث مسائل وواقعات کا استحضار کرنا کامیاب خطاب کے لئے کافی ہوتا ہے تو کچھ خطباء کے لئے مصادر وماخذ کا مطالعہ وانتخاب اور نوٹ تیار کرنا بسا اوقات متعدد بار تکرار مناسب ہوتا ہے تیاری کی سطح ومعیار جو بھی ہو خطبہ کا معیاری ہونا افادیت رکھتا ہے اس لئے موضوع کا تعین مرکزی محور کا پابند رہنا جزوی مسائل میں الجھے بغیر دلائل کا تذکرہ وقت کی پابندی متعینہ دورانیہ کی تکمیل مخاطب کی حیثیت ومرتبہ کا خیال ان کی تمدنی وثقافتی تعلیمی واقتصادی حالت کا اعتبار کامیابی کے لئے شرط ہے۔

بطور مثال خطیب کا مرکزی مقصد اسلام کی دعوت ہے لوگوں کو اسلام کا پابند بنانا ہے اور صالح نظام کے قیام کے لئے کوشش کرنے پر آمادہ کرنا ہے تو اس کے جزوی مقاصد افراد کی تربیت وذہن سازی، مسلم فیملی کا تیار کرنا، مسلم معاشرہ کا قیام، مسلم معاشرہ کی اصلاح اور ان کے مجموعے سے اسلامی سوسائٹی کی تیاری پھر ہر ادارے وشعبے کے ماہرین میدان میں اتارنے کے لئے آمادہ کرنا جن سے اسلامی حکومت تشکیل پاسکے، پھر دنیا میں بکھری مسلم مملکتوں کو خلافت کے پائدار دھاگے میں پرونا اور خلیفہ کا انتخاب۔

خطیب مرکزی وجزوی مقاصد کی تکمیل کے لئے اوقات مرتب کرے خطیب کو محسوس کرنا چاہئے کہ ماہر باصلاحیت خطیب کا کردار امت کے مسائل اٹھانے حل کرنے میں بہت اہم ہوتا ہے اسی لئے جس قدر اصلاحی سیاسی معاشرتی آزادی کی تنظیمیں اٹھیں وہ منبر ومحراب سے ہی اٹھیں۔

جادو اثر خطبوں نے ذہنوں کو مہمیز کیا دلوں کو چھولیا معاشرہ وسماج میں بیداری کی روح پھونک دی، ان کے اسیر عوام وحکمراں ہوئے کیونکہ ان خطباء کو بات پیش کرنے کا سلیقہ تھا ان کی انگلی وقت وحالات کی نبض پہ رہتی وہ موقع ومحل کا ادراک رکھتے، کس وقت کیا کہا جائے گا، کب کہا جائے، کس سے کہا جائے، کہاں کہا جائے، اس کا شعور رکھتے تھے، کسی حکیم کا قول ہے ''ضروری نہیں کہ جو کچھ معلوم ہو اسے زبان پہ لایا جائے، نہ ہر بات ہر وقت کہی جاتی، نہ ہر بات ہر ایک سے کہی جاتی۔

خطیب اسلام کی سرحد پر کھڑا ہے اس کی ڈیوٹی ہمہ وقتی ہے اس کے لئے چھٹی ورخصت کا کوئی دن نہیں حسن کارکردگی کا مظاہرہ علیم وخبیر کے حضور کرتے رہنا، مقصد کے حصول کے لئے آگے بڑھتے رہنا ہے۔

خطیب سیرت مصطفویؐ کو چراغ راہ بنائے، گہرا مطالعہ کرے اس سمندر کا ہر قطرہ قیمتی آبدار موتی ہے ان موتیوں کے چننے والے صحابہ کی زندگی غور سے پڑھے، ان میں نمایاں ترین چاروں یار کو چار مینار سمجھے، قدیم وجدید

اسلامی تاریخ کی واقفیت بہم پہنچائے یہ سفر خطابت کے لئے بہترین توشہ مقصد پانے کا ذریعہ ہے جس سے خطبہ میں حقیقت پسندی ہو بہ ہو مسائل پیش کرنے کا نمایاں اسلوب دکھائی دے گا۔ حدود سے تجاوز سطحیت وادعا کا شائبہ نہ ہوگا۔

خطیب کے لئے منبر ومحراب کی حرمت کا لحاظ خطیب کی حیثیت کا احترام اس کی عظمت وہیبت میں اضافہ کرتا ہے جس کا تقاضا ہے کہ ایک ایک بول تول کر بولے، ایک ایک حرف سوچ کر بولے، سیاسی گفتگو کرتے وقت حسین پیرایہ اپنائے اچھی دل لگتی تعبیر اختیار کرے، طعنہ اشارے کنایہ سے بچے، بدگوئی سب وشتم سے گریز کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن طعنہ باز، بدگو، زبان دراز اور لعن وطعن کرنے والا نہیں ہوتا'' (احمد۔ صحیح)

خطیب ذاتیات میں دخل نہ دے، تا کہ لوگوں کی توجہ ونرمی اور احترام کا مرکز بنے، لوگ اس قدر بے تکلف وجری بھی نہ ہو جائیں کہ آداب شریعت نظرانداز کرنے لگیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ایسے مواقع میں جب آپ کسی کے اندر ناپسندیدہ طور طریقہ یا عادت وعمل ملاحظہ فرماتے تو فرماتے: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے ایسا ویسا کرتے ہیں۔ اسلام ادب واخلاق اور حقیقت پسندی سکھاتا ہے، اس لئے خطیب زبان کے چٹخارے سے پرہیز کرے، خشک بے مقصد بحث ومباحثے سے گریز کرے، نیت درست رکھے تا کہ اس کے خطبے و خطاب میں اثر آفرینی پیدا ہو۔

جمعہ کا خطبہ بالعموم عربی میں ہوتا ہے اس کے اثر کا ظہور حرمین شریفین حرم مکی، حرم مدنی میں ہوتا ہے، فاضل یگانہ خطباء سامعین کو مسحور کردیتے ہیں اسی طرح وہ تمام ممالک جن کی زبان عربی ہے وہاں کے سامعین عربی خطبہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بیشتر ممالک میں خطبے کی افادیت کو محدود بایں معنی کردیا گیا ہے کہ خطیب آزاد نہیں ہوتا بلکہ اس خطبے کا پابند ہوتا ہے جسے حکومت کی وزارت اوقاف یا دینی امور کے شعبے تیار کرتے ہیں۔

خطیب ایک داعی وعالم کی حیثیت سے براہ راست معاشرے میں پائی جانے والی برائیوں کو نشانہ بناتے ہوئے نہی عن المنکر امر بالمعروف کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا اور جب کسی نے جرأت کی تو عتاب کا شکار ہوا جیسے مسجد نبویؐ کے امام وخطیب حذیفی جب انہوں نے جرأت ایمانی کا مظاہرہ کیا تو وقتی طور پر برطرف کردیئے گئے، **لا یخافون لومة لائم** اور **کلمة حق عندسلطان جائر** کا ناگوار وخوشگوار فریضہ انجام دیا۔

عرب ممالک میں خطبہ آزاد ہو کہ مقید افادیت سے خالی نہیں کہ سامعین سمجھتے ہیں۔

جن ممالک میں عربی زبان عوامی زبان نہیں ہے جب ان کے سامنے خطبہ پڑھا جاتا ہے تو ان کے لئے نماز وخطبہ دونوں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں اور خطبہ کا منطقی مقصد خطاب کا سمجھنا فوت ہوجاتا ہے اس لحاظ سے یہ بہت حساس ونازک مسئلہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ہر ملک وعلاقے کے لئے عربی زبان میں خطبہ مسنون بتایا ہے اس لئے ہندوستان کے خواص عربی میں خطبہ پڑھنے کے قائل ہیں کیونکہ بیشتر خطیب خطبہ دینے پر قادر نہیں ہیں۔

اگر فقہی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو مقامی زبان میں خطبہ کا جواز ہے لیکن عام معمول سے ہٹانا آسان نہیں۔

بہتر طریقہ یہی ہے کہ خطبہ عربی میں ہو البتہ خطبے سے پہلے مقامی زبان میں تقریر (خطبے کے اہم مقصد کے حصول کے لئے) کا معمول بنایا جائے اور یہ طریقہ رائج بھی ہے۔

دنیا کے مختلف ممالک میں آباد ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہفتے میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے جامع مسجد میں جمع ہوتا ہے اتنی بڑی آبادی کو جو پیغام دیا جائے گا اس سے وہ خود متاثر ہوگی اور ان میں سے ایک ایک شخص نے دیگر مذاہب کے پانچ لوگوں تک اسی پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری قبول کی تو پوری انسانیت تک خطبہ جمعہ کی معنویت واسپرٹ پہنچ

جائے گی اس اعتبار سے خطبہ جمعہ طاقتور ذریعۂ ابلاغ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مؤثر ذریعہ کی اہمیت وافادیت کا احساس مسلم آبادی، مسلم قیادت کرے اور اس کا صحیح استعمال کرنے لگے۔

ہندوستان میں خطبہ جمعہ کی روح سے عوام کو آشنا کرانے اور نظام ترتیب دینے اسے مؤثر ومفید طاقتور ذریعہ ابلاغ بنانے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بنیادی کردار ادا کرسکتا ہے اس سلسلے میں منصوبہ بندی کی عملی اقدام کی ابتداء ضروری ہے۔

بورڈ کی نگرانی میں پورے ملک کے لئے خطبہ جمعہ تیار کیا جائے اصل خطبہ عربی میں ہو اس کا ترجمہ مقامی زبان میں ہوتا کہ اگر خطیب تقریر و وعظ پہ قادر نہ ہو تو ترجمہ سنانے کا اہتمام کیا جائے ورنہ مقامی زبان میں خطبہ کے مشتملات کو بیان کیا جائے۔

اس خاکہ میں رنگ بھرنے کے لئے بڑے وسائل واسباب اور اشخاص ورجال کار کی ضرورت پڑے گی لیکن ملت اسلامیہ ہند کی آبرو معتمد و معتبر قیادت کے لئے ان کی فراہمی مشکل نہیں ضرورت ہے ہمت جٹانے اور فیصلہ کرنے کی۔

خطبہ جمعہ کی روایت جو ہمارے یہاں چلی آرہی ہے کہ عربی عبارت کا تلفظ عجمی انداز میں ڈھیر ساری اغلاط کے ساتھ کیا جاتا ہے اسے بدلنے کے لئے کل ہند اور صوبائی سطح کے ورکشاپ کے انعقاد کا اہتمام کیا جائے۔

جمعہ کا خطبہ تمام ہندوستانی زبانوں میں انٹرنیٹ پر شب جمعہ کو فراہم کیا جائے تاکہ نمازیوں کی بڑی تعداد نماز جمعہ سے قبل دیئے جانے والے خطبے سے آگاہ ہوکر آئے اور غور سے سنے ہیڈ آفس سے جڑے۔

جمعہ کے خطبہ وبیان کی افادیت عام کرنے کے لئے مسلم گھروں میں ریڈیو فری کوئنسی کا نظم کیا جائے تاکہ جو خواتین و بچے مسجد نہیں جاتے وہ خطبے کے فیض سے محروم نہ رہیں بیماروں اور معذوروں کا رابطہ بھی منقطع نہ ہو پائے۔

خطبہ جمعہ کو پروجکٹر کی مدد سے بڑی وسیع وعریض جامع مسجد کے تمام حصے میں دکھایا سنایا جاسکتا ہے۔

ایف ایم کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خطبہ کو نشر کیا جانا چاہئے۔

کسی مشہور ٹی وی چینل کی جز وقتی خدمات حاصل کی جائے تاکہ خطبہ مع ترجمہ نشر کیا جائے۔

خطبہ جمعہ کے متعلق صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب لکھتے ہیں: ’’جمعہ کی نماز سے قبل خطبہ رکھا گیا ہے تاکہ اس سے نصیحتیں حاصل ہوں حضور پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خطبے دیتے تھے اور نیکی اختیار کرنے اور اس کے فائدوں کی طرف اور برائی سے بچنے اور اس کے انجام کی طرف متوجہ کرتے تھے اس وقت سے یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے، خطبہ جمعہ کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے دیئے جانے کا سلسلہ عربی سے شروع ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اولین مخاطبین عرب تھے اور پھر یہ عربی ہی میں دیا جاتا رہا ہے، تو عربی جاننے والوں کا کام تو اس سے چلتا ہے لیکن بعد میں اسلام کے ماننے والے دنیا کی دیگر زبانوں کے بھی ہوتے چلے گئے تو یہ خطبہ عربی میں ہونے کے سبب اس کی باتیں عربی نہ جاننے والوں کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں لہذا اس کے لئے ہمارے علماء نے تلافی کی صورتیں نکال لیں مثلاً عربی خطبے کے دوران میں ہی ضروری باتیں اردو یا مقامی زبان میں بھی کہہ لیتے ہیں، یا خطبہ ونماز کے بعد اردو یا مقامی زبان میں ضروری باتیں بتاتے ہیں۔(تقریظ خطبات جمعہ)

آج کے ترقی یافتہ دور کی ترقی میں ذرائع ابلاغ (میڈیا) کا بنیادی حصہ ہے اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو جس مؤثر طاقتور ذریعہ ابلاغ سے نوازا اس کی قدر شناسی فرائض منصبی میں داخل ہے جن کے درست مطلوبہ استعمال سے صالح معاشرہ کی تشکیل افراد ملت کی تربیت عدل کے قیام کی تدبیر ظلم کا خاتمہ ممکن ہے۔ خطبہ سنئے سمجھئے اس کے تقاضوں کی تکمیل کیجئے کہ مجھے ہے حکمِ اذان لا الہ الا اللہ ’’**فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ**‘‘

دوسری قسط

تطبیق شریعت

از: ڈاکٹر دسوقی

(قاہرہ، مصر)

نفاذ شریعت کے تعلق سے شبہات

مغرب زدہ بنانے کی سیاست، فکری انتشار اور اس امت کی مستقبل پر حکمرانی کے دباؤ کے باوجود اسلامی روح نے بدلتے ہوئے ایام کے ساتھ ساتھ اپنی طاقت وقوت کی حفاظت کا بھی خیال رکھا ہے، چنانچہ مطالعہ اور غور وخوض میں اضافہ ہوا اور یہ مطالعات اسلامی قانون کے اثرات کو واضح کرتے رہے اور ایسی آوازیں بھی بلند ہوئیں جس نے تمام احکام شریعت کے نفاذ کو ضروری قرار دیا۔ یہاں تک کہ اس کی بازگشت امت کے ہر طبقہ میں سنی گئی، اس نئی آواز نے سونے والوں کو جگایا۔ اس آواز اور بیداری نے اسلامی شریعت کے نفاذ کے مخالف طاقتوں کے ہوش اڑا دیئے، ان مخالف طاقتوں نے جو کچھ کیا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان طاقتوں نے اس شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے وجوب کے تئیں شکوک وشبہات پیدا کئے، ان کے اٹھائے گئے شکوک وشبہات میں سے چند یہ ہیں:

۱- عصری ترقیات کے لئے یہ شریعت مناسب ولائق نہیں ہے۔

۲- مسلم ممالک میں مختلف اقلیتوں کی وجہ سے شریعت کا نفاذ مشکل ہے۔

۳- اسلامی شریعت کی تطبیق اور نفاذ کی بنیاد کے تئیں بڑے ممالک اور بین الاقوامی برادری کا موقف سامنے رکھنا ضروری ہے۔

ان شبہات میں ''شریعت'' کا لفظ ''دین'' کے معنی کا مترادف ہے، چنانچہ شریعت ان تمام احکام کو شامل ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے بنایا، چاہے ان احکام میں سے بعض کو اعتقادی احکام کا نام دیا جائے یا عملی احکام کا، بہت سارے علماء ایسے ہیں جن کے یہاں شریعت کا مطلب صرف عملی احکام پر عمل پیرا ہونا ہے، کیونکہ شریعت کے احکام ہی اس نظام اور طریقہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ محمد ﷺ سے پہلے جو انبیاء سابقین مبعوث ہوئے ان سے اسلام جدا اور الگ ہے۔

پہلے شبہ کی بنیاد انسانی ترقی اور اس کے اور شریعت کے اثبات کے درمیان ربط باہمی کا قضیہ ومسئلہ ہے، کوئی بھی ثابت اور مستحکم چیز جو تبدیلی سے آشنا نہ ہو وہ ترقیات قبول نہیں کرسکتی، چنانچہ نفاذ شریعت کا مطالبہ ایک ایسا معاملہ ہے جو منطق عقل کے مغائر ہے۔

واضح رہے کہ یہ شبہ لغو ہے، اس طرح کے شبہات کا تعلق کسی علمی حقیقت سے نہیں ہے، اس طرح کے شکوک وشبہات اٹھانے والے تاش کے پتے کھیلتے ہیں اور اسلامی شریعت کے متعلق ان کی معرفت سرسری اور سطحی ہے، ترقی کی فکر جس کا راگ وہ اپنی زبان وقلم سے الاپ رہے ہیں ایک ایسی فکر ہے جو مغربی ثقافت وتہذیب کی پروردہ ہے، اور یہ فکر یورپی براعظم میں تاریکی اور انحطاط اور عہد وسطی میں یورپ میں حاوی اور جاری کنسی فکر (Eccleslastic theory) کے ردعمل کے طور پر سامنے آئی، جب کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس روشنی اور تہذیب وثقافت کی بہتات تھی، اس فکر کا اثر یہ ہوا کہ علماء دین کے درمیان کشمکش ہوگئی اور ان کے مصالح کی خاطر بالآخر یہ کشمکش ختم بھی ہوگئی، پھر مغرب میں ہر میدان میں ترقی کا دور آیا، ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ ترقی دین کے پکڑنے اور دنیا سے اصحاب دین کی عزلت گزینی کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس فکر نے دین اور ترقی کے درمیان رابطہ کے مفاہم کو بتلایا جیسا کہ یہ رابطہ مغرب میں مادی اور معنوی جنگ کے پہلو میں پلا بڑھا، بہت سارے لوگوں نے اس کو مانا، کتابیں معرض وجود میں آئیں اور دینی حکومت کے سلسلے میں باتیں ہوتی رہیں، ایسا قانون جو معاشرے کے تمام معاملات میں سے صرف بعض میں تحکیم وفیصلہ کا مطالبہ کرے وہ قانون لوگوں کی مکمل ضرورتوں کو پورا نہیں کرسکتا۔

لہذا ضروری ہے کہ ہم اس کام کو کریں جسے یورپ نے دین کے حوالے سے کیا تا کہ ہم ان کے دوش بدوش چل سکیں۔

اچھائی اور کمال کی جانب ہمیشہ ترقی کرنا اسلام کا شعار ہے، اسلام جس ترقی کی جانب دعوت دیتا ہے وہ ترقی فروعات اور جزئیات میں ہوتی ہے نہ کہ اصول وکلیات میں، تاکہ امور زندگی ایسی بنیادوں پر قائم ہوجائے جس میں کوئی خلل، تبدیلی وتغیر نہ ہو اور خواہشات وتیزی سے متاثر نہ ہو، دوسری طرف اس ترقی کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ ذہن ودماغ سے یہ بات نہ نکلے کہ ہر چیز پر اللہ کی حاکمیت اور قدرت ہے تاکہ یہ ترقی مشروع امر کے دائرہ سے باہر نہ ہو، اس لئے یہ ترقی مقاصد شریعت اور بنیادی اصولوں کے دائرے میں رہتی ہے اور ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہوتی، بلکہ راہیں ہموار ہوتی ہیں اور پسندیدہ تبدیلی کے طریقوں کو روشنی ملتی ہے۔

جو لوگ اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ احکام شریعت کا نفاذ عصری ترقیات کے معارض ہے، ایسے لوگ غلطی پر ہیں اور اس کے لئے وہ لوگ جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ سب ان کے احکام شریعت کو نہ سمجھنے کی عکاسی کرتے ہیں، وہ لوگ اس عظیم شریعت کو دوسری شریعتوں پر گیرائی وگہرائی کے بغیر قیاس کرتے ہیں، اللہ تعالی نے اسلامی شریعت کے اندر ثبات، بلندی، نرمی، جامعیت وآفاقیت، آسانی اور انسانی عقل کے احترام کے جو مادے رکھے ہیں، ان میں یہ لوگ غور نہیں کرتے، اس طرح صحیح روایات اور ایک قصد وتوازن کے ساتھ عام اور خاص مصالح کی رعایت اور تعارض کے وقت عام کی خاص پر فوقیت اور اولیت، اس طرح ضرورت کے بقدر حرام چیزوں کی اجازت کی رعایت، یہ وہ چیزیں ہیں جن میں غور وخوض کئے بغیر لوگ اسلامی شریعت کو دوسرے قوانین پر قیاس کرتے ہیں اور یہ غلط ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ غیر مسلم اقلیت کی وجہ سے (عالم اسلام میں) نفاذ شریعت مشکل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ ایسا ہی ناقص اور لغو ہے جیسا کہ پہلا شبہ، مسلمانوں کے درمیان اقلیت کا وجود اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام میں جبر واکراہ نہیں ہے، جب یہ بات ثابت ہے کہ غیر مسلم اقلیت پر اسلامی احکام جبراً نہیں تھوپے جاسکتے بالخصوص عبادات کے میدان میں تو نفاذ شریعت کے سلسلے میں ان کا وجود کیسے حائل ہوسکتا ہے، نفاذ شریعت ہی کے سایہ میں غیر مسلم اقلیت نے زندگی کے ہر دور میں اپنی مذہبی آزادی اور جائز حقوق سے فائدہ اٹھایا ہے، پھر یہ کہ اقلیت پر مسلمانوں نے اللہ تعالی کے قانون کے ذریعہ حکمرانی نہیں کی اور اقلیت اپنے مذہب کے سلسلے میں آزاد رہے، ان کو ان کے دین سے نہیں ہٹایا گیا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ غیر مسلم اقلیت نے اس عظیم اسلام اور اس کی انسانی روح کے سایہ تلے ایسی شاندار اور باعزت زندگی گذاری جسے اس نے اپنی حکومتوں کے سایہ میں بھی ویسی زندگی نہیں گذاری ہوگی، اس بات کا اعتراف غیر مسلم اسکالرز بھی کرتے ہیں، ایک مستشرق تھومس آرنلڈ (Thomas Arnold)، متوفی ۱۹۳۰ء نے اپنے مطالعہ میں لکھا ہے، جسے عربی میں "الدعوة إلى الإسلام" کے عنوان کے تحت ترجمہ کیا گیا ہے، اس نے مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ "ان مثالوں کے علاوہ جسے میں نے ابھی پیش کیا ایک رواداری کی مثال بھی ہے جسے عرب حاکم مسلمانوں نے عیسائیوں کو پہلی صدی ہجری میں پیش کیا اور یہ رواداری اگلی نسلوں میں بھی جاری رہی، اگر صحیح طور پر کہا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جن عیسائیوں نے اسلام کو گلے لگایا انہوں نے محض اپنے آزادئ فکر اور خود مختاری سے ایسا کیا اور ان دنوں جو عرب عیسائی مسلمانوں کے درمیان زندگی گزار رہے ہیں یہ اس رواداری کی واضح دلیل ہے۔

اخیر میں یہ عرض کرنا ہے کہ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ مسلم اقلیتیں جو اللہ کے مقرر کردہ دین وایمان کی صلابت وپختگی میں مضبوطی سے قائم ہیں اس کے خلاف یہ غیر مسلم اقلیتیں کھڑی ہوجائیں گی، یہ اقلیت اپنے مذہبی شعار کو پوری آزادی کے ساتھ ادا کرتی ہے اور مسلم ممالک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان بغیر کسی فرق واختلاف وطنیت وشہریت کے حق سے فائدہ اٹھاتی ہے، تو نفاذ شریعت کے مطالبہ کے وقت اقلیات کے شبہ کو کیوں ہوا دی جاتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ استعمار اور قبضہ ہی وہ چیز ہے جو اقلیات کو اس چیز پر ابھارتی ہے کہ یہ اقلیت نفاذ شریعت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور وہ احکام وشریعت جس پر یہ امت عمل پیرا ہے اور اس کے دین کو تھامے ہوئی ہے اس کی راہ میں حائل ہوجائے، لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ بعض قانون داں اور سیکولر حضرات اسلامی معاشرہ میں غیر مسلم اقلیت کی موجودگی کی وجہ سے عدم نفاذ شریعت کی آواز بلند کرتے ہیں اور گویا وہ اپنے اس موقف کے ذریعہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اے مسلمانو! اپنے دین کو چھپاؤ تاکہ غیر مسلم اقلیتیں اپنے مذہب کو مکمل طور پر اپنائیں۔

رہی بات نفاذ شریعت کے تئیں بڑے ممالک کے موقف کی تو ان کا موقف تکلیف دہ حقیقت کی جانب اشارہ کرتا ہے، یعنی کہ مسلم امت کے پاس اس کی اپنی مشیت وارادہ کا فقدان ہے، وہ بڑے ممالک میں رہتی ہے، لیکن وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ اس کی کوئی اپنی نظیر ہو اور وہ کسی چیز کی مخالفت بھی نہیں کر سکتی، یا بعض مسلم ممالک میں یہ قوم حکام کو کسی خلاف چیز بات کی خبر بھی نہیں دے سکتی۔

یہاں اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے بڑے ممالک کا یہ موقف کوئی نیا نہیں ہے، حق اور باطل کے درمیان مدافعت اور جنگ کی سنت روز قیامت تک جاری رہے گی، اسلام کا مقابلہ روز اول (مکہ) ہی سے دشمنوں کے ساتھ رہا ہے اور رہے گا، دشمنان اسلام یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکیں، اس کی روشنی کو گل کر دیں، اس کی تہذیب وتمدن کو مسخ کر دیں، لیکن چونکہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کو تحریف وتبدل سے محفوظ رکھا ہے، اس لئے یہ دین اسلام اپنی بنیاد، اقدار وروایات اور قوانین کے اعتبار سے محفوظ رہا، اگر چہ تحریف کرنے والوں نے بہت کوششیں کیں (مگر ان کی کوششیں ناکام رہیں)، نفاذ شریعت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفاذ شریعت کے مخالفین کے خلاف کمربستہ ہوں، چاہے جتنی بھی قربانیاں دینی پڑیں، کیونکہ مسلمان اللہ کی شریعت پر سچی اور مکمل پابندی کے بغیر محض نام کے مسلمان رہ جائیں گے اور یہی اللہ کے دشمنوں کا اصل مقصد ہے۔

نفاذ شریعت کے تعلق سے جتنے بھی شکوک وشبہات اٹھائے گئے وہ سب خارجی ہیں، پورے تیرہ صدی کی طویل مدت میں اس طرح کے شبہات اسلامی ماحول میں نہیں پائے گئے، کسی بھی دو مسلم نے نفاذ شریعت کی صلاحیت اور شریعت کے تمام احکام پر التزام وپابندی کے وجوب کے تعلق سے اختلاف نہیں کیا، جب اس مسلم ماحول پر دشمنی کی ہوا چلی، اس کے امور دوسروں کے ہاتھوں میں چلے گئے، اس پر ایسی روایات ورسوم تھوپ دیئے گئے جن سے یہ مسلم ماحول ناآشنا تھا، ایسے قوانین بنائے گئے جو اسلامی عقائد وشرائع کے بالکل خلاف تھے، باطل نے اپنا چہرہ دکھایا اور مسلمانوں اور ان کے دین کے درمیان فرق واختلاف پیدا کرنے کے لئے شبہات کھڑے کئے گئے اور یہ کہا گیا کہ مشکلات سے پُر اس موجودہ زندگی میں اسلام کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنا سفر جاری رکھ سکے اور یہ بھی کہا گیا کہ مسلمان اس دعوی کو دہرانے سے باز آجائیں کہ ان کا دین (اسلام) ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لئے ہے۔

اخیر میں یہ عرض ہے کہ بعض مسلمان جو اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے ظاہراً کام کر رہے ہیں وہ ایسے ہیں جو اس شریعت کے نفاذ کے تئیں اعلانیہ دشمنی تو نہیں کر رہے ہیں، لیکن وہ اپنی باتوں میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ (انسانی) وضعی قوانین اسلامی احکام سے متعارض نہیں ہیں، پھر وہ لوگ ایسی مثالوں اور نمونوں کی جانب توجہ مبذول کراتے ہیں جس کے اندر وسطیت اور نفاذ میں اعتدال نہیں ہے، یہ لوگ یہ بات بھی کرتے ہیں کہ نفاذ شریعت کا آوازہ دینی حکومت کی طرف ایک دعوت ہے اور اس طرح کی دینی حکومت (ان دنوں) غیر مطلوب ہے، نتیجہ یہ نکل کر سامنے آتا ہے کہ نفاذ شریعت کے مطالبہ کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے۔

نفاذ شریعت اسلامیہ کے لئے حکمت عملی اور غور وفکر

مذکورہ بالا باتوں کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس امت کی زندگی سے اسلامی شریعت غائب ہے، باطل طاقتیں اسلامی شریعت کو پیہم معطل کرنے اور اس کو ہٹانے کے لئے سازش کر رہی ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت ہی دراصل امت میں اچھی زندگی واپس لانے کے لئے واحد پناہ گاہ ہے، اس سے پہلے چند صدیوں تک تو یہ امت ہزیمت، تخلف، ضعف، جمود وتعطل اور تقلید کا شکار رہی، چنانچہ اس امت پر ایسے لوگوں نے ظلم کیا جو مکر وفریب کرتے ہیں، اس کو اسلامی عقیدہ اور شریعت سے دور کرنے کی پلاننگ کرتے ہیں اور ایسے قوانین اختیار کرنے کے لئے ہر دم کوشاں ہیں جو اس امت کو غیروں کی غلامی میں لاکھڑا کرے، تاکہ یہ امت رفتہ رفتہ اپنی شریعت الٰہی اور قرآنی خصائص کو بھول جائے اور ایک مستعمل، غیر نتیجہ بخش، کمزور اور پچھڑی امت بن جائے اور وقت آچکا ہے کہ شریعت، اس کا مقام اور اس کی عظمت اس امت کی زندگی میں آجائے بلکہ پوری انسانیت کی زندگی میں آجائے، موجودہ انسانی معاشرہ جس میں حقوق انسانی اور ایسی بین الاقوامی تنظیموں کی تاسیس کی بات زیادہ کی جاتی ہے جو تنظیمیں انصاف، مساوات، جمہوریت، جھگڑوں اور مختلف قوموں کے درمیان جنگوں میں ظلم وتجاوز سے مقابلہ کی دعوت دیتی ہیں، پھر حاکموں کی من مانی کی حکومت ہے اور کمزوروں کے حقوق کو حقیر وکمتر سمجھا جاتا ہے اور حاکموں کی یہ خواہشات اور

من مانیاں اس امت کے دشمنوں کی کوششیں ہیں کہ خواہشات نفسانی اس امت اور اللہ تعالی کی کتاب کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی راہ میں حائل ہوجائے، حالانکہ اللہ تعالی کی کتاب نے اس بات کو واضح کردیا ہے کہ ان احکام الٰہی کا ضیاع خواہشات نفسانی کی اتباع کے مترادف ہے، اللہ تعالی نے سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے: (آپ ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہئے اسی (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں پر عمل نہ کیجئے اور ان لوگوں سے احتیاط رکھیئے کہ کہیں وہ آپ کو بچلا نہ دیں، آپ پر اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے پھر اگر یہ روگردانی کریں تو جان لیجئے کہ بس اللہ کو یہی منظور ہے کہ ان کے بعض جرموں پر انہیں پاداش کو پہنچادے اور یقیناً زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے آئے ہیں، تو کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں اور جو قوم یقین (وایمان) رکھتی ہے اس کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہوسکتا ہے)۔

ان دونوں آیتوں میں ایک ایسے فتنہ سے متعلق بات کہی گئی ہے جس سے ڈرنا ضروری ہے، اور وہ فتنہ خواہشات نفسانی کی اتباع ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کو چھوڑ کر انسانی خواہشات کو اختیار کیا جائے، اس آیت میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ خواہشات نفسانی کا قانون انسانوں کا انسانوں کے لئے بنایا ہوا قانون ہے اور ایسا قانون جاہلیت وگمراہی ہے جو بعض انسانوں کو خدا ماننے کے اعتراف کے نتیجہ میں اللہ تعالی کی الوہیت کا انکار کرتا ہے، دوسری آیت کے اخیر میں سوال انکاری ہے کہ جاہلیت کے قانون کو نہ اپنایا جائے، اور اس آیت میں اللہ تعالی کے قانون وفیصلہ کی برتری اور افضلیت کے ثبوت کے لئے بھی ایک سوال ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ومن أحسن من الله حكما لقوم يؤقنون"، کون شخص ہوسکتا ہے جو اس بات پر جری ہو کہ وہ اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قانون سے بہتر قانون بنائے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے؟

غلط خیالات

بعض لوگوں کا تصور یہ ہے کہ نفاذ شریعت کا مطلب صرف احکام حدود وقصاص کا نفاذ ہے، حالانکہ شریعت اس سے بڑھ کر ہے، نفاذ شریعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے تمام احکام کا التزام ہو، شریعت عقیدہ کی اساس ہے اور شریعت وعقیدہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا۔

رہی بات احکام کے فقہی نفاذ کی تو یہ اخلاق اور عمدہ تربیت کا ثمرہ ہے، کوئی بھی امت اخلاق وتربیت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، چاہے اس امت کے قوانین جیسے بھی ہوں، اس طرح کوئی بھی امت کسی مضبوط اور راسخ عقیدہ کے بغیر نہیں جاگ سکتی ہے، چاہے اس کا دعوی اور زعم کچھ بھی ہو، یہی وہ چیز ہے جو ہر چیز کے لئے بنیاد اور اساس ہے، لوگ فقہ کے سلسلے میں تو اختلاف رائے رکھتے ہیں، لیکن وہ اخلاق کے بارے میں اختلاف نہیں کرتے اور جب اخلاق درست ہوں گے تو ہر چیز درست ہوگی۔

احکام شریعت اور اس کے نصوص انسانی شخصیت کو ایسے بلند اخلاق کی رہنمائی کرتی ہیں جو دوسروں سے ممتاز بنائے اور فضائل واخلاقیات میں اس کو اعلی اور مثالی نمونہ بنا کر پیش کرے اور انسان کی خلقت کا مقصد ہی پیغام الٰہی کو دنیا میں ثابت کرنا ہے کہ بندگی کے لائق صرف ذات واحد ہے، اس کے ممنوعات ومنہیات سے رکنا اور مامورات کو انجام دینا ہی اس کا مقصد اصلی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: (حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان مسلمانوں پر کیا جب کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے)۔ اس آیت کریمہ میں "تزکیہ" "تربیۃ" کا مترادف ہے اور تربیت یہ ہے جو انسان کے اندر ردی اور خراب قسم کے مواد کو ختم کردے اور کچل دے اور اس کے بعد یہ تربیت انسانی سماج میں عمدہ اور پاکیزہ خصائص کو زندہ کرے اور اس کو مزید ترقی دے، قرآن کریم میں آتا ہے کہ یہ تزکیہ ہی کامیابی اور نجات کی بنیاد ہے: (بامراد ہوا وہ جو پاک ہوگیا، اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا)، (کہ وہ یقیناً بامراد ہوگیا جس نے اپنی جان کو پاک کرلیا اور وہ یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو دبادیا)۔ تزکیہ کا کام جرائم کی مدد کرنا نہیں بلکہ اس کو اکھاڑ پھینکنا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: (ہے یہ کہ جو کوئی بھی اپنے پروردگار کے پاس مجرم ہوکر حاضر ہوگا تو اس کے لئے دوزخ ہے اس میں وہ مرے گا اور نہ جئے گا، اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہوکر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں جن کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی ہے انعام اس کا جو پاک ہوا)۔

نفاذ شریعت کا دائرہ صرف قصاص، حدود، تعزیرات یا عبادات،

ومعاملات اور شخصی قوانین تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ نفاذ ایک جامع ومکمل چیز ہے جس کا مقصد اعلی اخلاقی اقدار اور انسانی فضائل کا قیام ہے اور اللہ تعالی کے بندوں کی صفات ایسی ہو جائیں جن کا ذکر سورہ فرقان کے اخیر میں آیا ہے اور یہ مذکورہ صفات ہی دراصل مسلم قوم کے قول وفعل کا دستور ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے: "**إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق**" اور دوسری روایت میں "**مكارم الأخلاق**" آیا ہے، "**صالح الأخلاق**" سے مراد دنیا ودین اور آخرت میں بھلائی ہے، ان تمام چیزوں کو نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں اس طرح جمع کر دیا ہے: "**اللهم اصلح لي ديني الذي هو عصمة أمري، واصلح لي دنياي التي فيها معاشي، واصلح لي آخرتي التي فيها معادي**"

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں ہمیں یہ بتلایا کہ تمام رسول گذر گئے، لیکن اخلاق کی تکمیل نہیں ہوئی اور نبی کریم ﷺ اخیر میں مبعوث کئے گئے تا کہ بقیہ اخلاق کی تکمیل کریں۔ یعنی نبی کریم ﷺ بقیہ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے تشریف لائے۔

نفاذ شریعت سے متعلق آراء وخیالات

نفاذ شریعت سے متعلق اسکالرز اور علماء کے تمام آراء وخیالات کی چھان بین کی گنجائش تو نہیں ہے، لہذا ہم صرف ان اقوال وآراء کا ذکر کرتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ صحیح اسلامی بیداری کے فروغ میں قدرے مشترک ہیں اور ان تعلیمات کو محض سمجھ لینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس میں ادراک وسمجھ بوجھ، حفاظت وصیانت اور مدد وتعاون جیسے اہم عنصر لازمی ہیں، چنانچہ اسلامی بیداری ہی اصلاً اسلامی عقل کی تشکیل دینے، ضمیر کو بیدار کرنے اور دینی شعور پیدا کرنے کے لئے مختصر ترین راستہ ہے، لیکن اس امت کے اندر اس بیداری کے فروغ کا کیا راستہ وذریعہ ہے جو نفاذ شریعت کے میدان میں سودمند ثابت ہو؟

اس بیداری کے فروغ کا راستہ اور ذریعہ صحیح تربیت ہے، اس تربیت کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے نظام تعلیم کو درست کیا جائے، اس کی غلطیوں کو ٹھیک کیا جائے، دوجہتی نظریۂ تعلیم کو ختم کیا جائے اور عقیدۂ توحید اور ایک خدا کی عبودیت کو انسان بطریق تربیت حاصل کرے، تربیت کے اہم مقاصد میں اخلاقی فضائل کی نشر وتبلیغ، مسلمانوں کی وحدت واتحاد اور اخوت وبھائی چارگی کا استحکام اور افراد کی ترقی کی رعایت جیسی چیزیں شامل ہوں، اور افراد کی ترقی میں انانیت کا شائبہ تک نہ ہو اور ایسی ترقی ہو جو خاص ملکہ اور اندرونی صفات کی اس طرح نگرانی کرے کہ رعایت وہدایت کی فضا سے وہ اندرونی صفات مزین ہوں تا کہ جدت وندرت کے درجہ تک پہنچ جائے، اس فرد کے اندر ترقی اس طور پر ہو کہ وہ ترقی انسانی زندگی کے ہر گوشے میں مزید حصول علم ومعرفت پر ابھارے، کیونکہ یہ مسلم امت پڑھنے لکھنے والی امت ہے، جو پیدائش سے موت تک علم حاصل کرتی ہے اور اس راہ میں آنے والی تمام مشکلات وپریشانیاں برداشت کرتی ہے اور حصول علم کے لئے دور دراز ملکوں کا سفر کرتی ہے اور اس امت کی دعا ہمیشہ یہ رہتی ہے: **وقل رب زدني علما** (اے اللہ میرے علم میں اضافہ کر)۔

استاذ سید قطبؒ کا کہنا ہے کہ موجودہ معاشرے میں نفاذ شریعت دو طریقوں سے ممکن ہے:

اول۔ جب بھی اسلامی فقہ کے خطوط میں ٹھہراؤ آئے اس کی کھود کرید کی جائے، اسلامی فقہ کی یہ خطوط آٹھویں صدی ہجری سے ٹھہر گئی اور یہ ٹھہراؤ اسلامی معاشرہ کے اندر جمود وتعطل کی وجہ سے ہوا، اسلامی فقہ کے خطوط کی متابعت اور تسلسل کے لئے مطالعہ اور غور وخوض کی ایسی کوشش ضروری ہے جو انسانی معاشرے کی حیرت انگیز ترقیوں اور فقہ کے جمود وتعطل کے درمیان وسیع خلیج کو پاٹ دے، تا کہ یہ کوشش کامیاب ہو اور فقہ کے مطالعات کی طبعی اور فطری فروغ ہو، یہ فروغ کوئی مصنوعی نہ ہو بلکہ اس کی بنیاد فقہ اسلامی کی ترقی وفروغ کی حاجات اور معاشرے کے موجودہ احوال اور گزشتہ تین صدیوں میں ظاہر ہونے والی روزمرہ کی ضروریات کے مطابق موجودہ فقہ کو گذشتہ فقہ سے ربط پیدا کرنے پر ہو۔

دوم۔ بلا واسطہ اسلامی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے، اس شریعت کے عام مساوی اور اس کے کلی قوانین کو مانا جائے، شریعت کے ان عام مبادیات اور کلی قوانین سے ہم راہ نمائی حاصل کریں اور اپنے موجودہ مشکلات کا ان شرائع اور قوانین کے ذریعہ حل ڈھونڈیں، جیسا کہ ہم سے پہلے فقہاء اسلام نے کیا کہ جب بھی ضرورت پڑی انہوں نے اسلامی شریعت سے راہ نمائی حاصل کی اور شریعت کے نفاذ کے لئے مختلف طریقے اپنائے اور جو احکام ان تک پہنچے ان سے انہوں نے مدد حاصل کی، پھر وہ یہ کہتے تھے کہ میرے خیال

میں تو یہی معقول راستہ ہے، گرچہ یہ الگ بات ہے کہ صرف یہی راستہ نہ ہو۔

سید قطب شہیدؒ نفاذ شریعت کو اجتہاد اور استنباط احکام پر معلق کرتے ہیں، گویا وہ یہ کہتے ہیں کہ روایت پسندی اور تقلید ہی کی وجہ سے فقہ جمود و تعطل کا شکار ہوا اور فقہ زندگی کے اصل دھارے سے پیچھے رہ گیا، اس وجہ سے شریعت ایک کنارے ہوگئی اور اس کے احکام کا نفاذ نہ ہوسکا، سید قطبؒ کا میلان اس جانب ہے کہ اجتہاد نص شرعی سے بلاواسطہ ہو، اس کے ساتھ ساتھ استنباط کے میدان میں ائمہ فقہاء کے طور طریقوں سے بھی راہ نمائی حاصل کی جائے۔

شیخ محمد غزالیؒ ان لوگوں سے باز رکھتے ہیں جن کے اندر استنباط کی صلاحیت نہ ہو اور وہ قرآن میں غور وخوض کریں اور اس سے احکام مستنبط کریں، یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اندر نہ علمی گیرائی ہے اور نہ فطری صلاحیتیں، ایسے لوگ صرف اٹکل کی باتیں کرتے ہیں اور ائمہ کے سلسلے میں غلو کرتے ہیں، یہ لوگ اسلامی بیداری اور نفاذ شریعت کی راہ میں رکاوٹ اور مصیبت ہیں۔

شیخ غزالیؒ کا خیال ہے کہ اس قرآنی امت کی زندگیوں میں قرآن کی روح اور اس کا طریقہ نہیں ہے، اس وجہ سے اس کی منزل ومقام چھین لی گئی اور یہ ان لوگوں کے سامنے جھکنے لگی جو پہلے اس کے سامنے جھکا کرتے تھے، مسلمانوں نے تقریباً قرآن کو ضائع کردیا ہے، چنانچہ قرآن کی تلاوت صرف زبانی ہے، اس سے خیالات، جذبات واحساسات اور ضمیریں نہیں بدلتیں، لوگ بجائے قرآن کی آیات ترغیب وترہیب اور انذار وتبشیر کی آیات سے زیادہ متاثر ہوں قاریوں کی آواز سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، اس امت کی بیداری کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق اور صحیح فقہ اور رایی سوچ وسمجھ سے فیصلہ کرے جو خواہشات نفسانی سے پاک ہو۔

نفاذ شریعت کے تعلق سے بعض مفکرین اور علماء کے آراء وخیالات کا یہ صرف ایک گوشہ تھا، ان آراء وخیالات میں گرچہ بعض جزوی اختلافات بھی ہیں، مگر ان تمام آراء کا نچوڑ درج ذیل بنیادی چیزیں ہیں:

اول۔　ثقافتی بحران یا صحیح اسلامی بیداری بحران جس سے امت مسلمہ دوچار ہے، دراصل یہی تمام مشکلات کی جڑ ہے جو نفاذ شریعت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

اس بحران میں بہت ساری چیزیں شامل ہیں: مثلاً صحیح اسلامی مفہوم کے تئیں کمزور اور ناقص بیداری، معنوی جنگ کی وجہ سے بعض مسلم مفکرین پر غیر اسلامی مفاہیم کا سیلاب، یہ بحران مختلف جہتوں، رجحانوں اور اسلامی جماعتوں کے درمیان آراء اور نظریات میں اختلاف اور ان اختلافات کی وجہ سے باہم کشمکش اور نوک جھونک میں بھی شامل ہے، جو ان جماعتوں کے مواقف کی شبیہ بگاڑ دیتا ہے اور اس نفاذ شریعت کے مخالفین کو یہ کہنے کی ہمت عطا کرتا ہے کہ کس شریعت کا نفاذ تم چاہتے ہو؟

دوم۔　صحیح اسلامی تربیت جو نفاذ شریعت کے لئے مناسب ماحول تیار کرے یہی ثقافتی بحران کو کم کرنے (اگر اس کو بالکلیہ ختم نہ کرسکے) کا واحد راستہ ہے، اس تربیت ہی کے ذریعہ یہ ممکن ہے کہ ایسی اسلامی نسل تیار ہو جو فکری روحانی قیادت کی ذمہ داری لے سکے، اس تربیت کے ذریعہ مذکورہ فائدوں کے ساتھ ساتھ عام بیداری میں بھی رول ہونا چاہئے جو عمومی ہو اور جس کی بنیادیں ایمان صادق اور اسلامی عقیدے اور شریعت سے ہم آہنگ ہوں، لہذا یہ تربیت، قیادت کے ساتھ ہو اور مختلف رکاوٹوں کے مقابلہ میں اس قیادت سے کام لیا جاسکے، اس طریقے سے نفاذ شریعت کی مخالف طاقتیں زیر ہوجائیں گی اور اس کے معاونین ومخالفین کے درمیان نفاذ شریعت کا عمل ثابت ہوجائے گا۔

سوم۔　نفاذ شریعت کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نظام وسسٹم شعور وفکر، تصور وسلوک کے مختلف مراحل میں انسانی زندگی پر غالب رہے۔

چہارم۔　نفاذ شریعت محض نعروں سے نہیں ہوگا، بلکہ یہ ایک منظم عمل، پیہم کوشش اور جدوجہد کے ذریعہ ہوگا، پریشانیاں اور مشکلات پیچیدہ ہیں اور ہماری زندگی شرور وفتن کے لاؤلشکر وافر مقدار میں موجود ہیں، ان شرور پر غلبہ اور ان مشکلات کا علاج صرف تمناؤں اور امیدوں سے نہیں ہوگا، بلکہ ان کا علاج منظم طور پر، اخلاص وایمان سے راہ یاب ہوکر حسن نیت اور سلامت قلب کے ذریعہ ہوگا۔

مفکرین اور نفاذ شریعت سے متعلق اسکالرز کی مذکورہ آراء وخیالات ایک طرح کا نظری تصور پیش کرتے ہیں، گرچہ کبھی کبھی یہ خیالات طریقۂ نفاذ کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں، ذیل میں عام خطوط پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ شاید اسلامی شریعت کے نفاذ کے راستے میں وہ عملی شروعات ثابت ہوں۔

(جاری)

قانون شریعت سے
ہم برادران وطن کو واقف کرائیں

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ملک کی جن فسطائی طاقتوں کو مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی تشخص گوارا نہیں وہ اسلام اور خاص کر اسلام کے عائلی قوانین اور خواتین سے متعلق احکام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں، اور اس کے لئے بعض خواتین تنظیموں کا استعمال بلکہ استحصال کیا جارہا ہے، اس پس منظر میں یہ بات ضروری ہے کہ ہم مسلمانوں میں شریعت کے احکام اور ان کے مقاصد کا صحیح ادراک وشعور پیدا کریں، عورتوں کے بارے میں اسلام کی فراخ دلانہ تعلیمات کو اجاگر کریں، اور قانونِ شریعت کی حکمتوں اور مصلحتوں سے ان کو واقف کرائیں، ہم انہیں بتائیں کہ طلاق کی گنجائش رکھ کر عورتوں کو تحفظ دیا گیا، تاکہ طلاق کے ذریعہ اس سے زیادہ ناخوشگوار اور تکلیف دہ واقعات کو روکا جاسکے، تفریق کا اختیار عورت کے بجائے عدالت کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ خاندانی نظام میں استحکام باقی رہے، اور علاحدگی کے واقعات کم ہوں، مغربی ممالک جہاں طلاق کا اختیار عورتوں کے ہاتھ میں ہے وہاں طلاق کے واقعات کی کثرت ہے، اور طلاق کی شرح نکاح کی شرح سے بڑھ گئی ہے۔

ہمیں اس بات کو واضح کرنا چاہئے کہ اسلام نے یقیناً ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی ہے، لیکن یہ عدل سے مشروط ہے، اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا ہو تو اسے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں، ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء:۳) اسلام میں ایسے تعدد ازدواج کی اجازت ہے جو ضرورت اور سنجیدہ فکر پر مبنی ہو اور جس کا مقصد محض پہلی بیوی کو ایذا پہونچانا نہ ہو، اگر سماجی نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو بعض اوقات تعدد ازدواج خود عورت کے لئے باعثِ رحمت بن جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ پہلے رشتہ نکاح کو باقی رکھنے میں مدد ملتی ہے------ غرض خصوصیت کے ساتھ اس زمانہ میں میڈیا کی جو اہمیت ہے اس کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئے اور جدید ذرائع ابلاغ کو اس دور کی مضبوط طاقت تصور کر کے اسلام کی تعلیمات کو نہ صرف مسلمانوں تک بلکہ دیگر اہل مذاہب تک بھی پہنچانا چاہئے، اگر ہم میڈیا کو اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات کو پہنچانے کا ذریعہ نہیں بنائیں گے تو دشمنان اسلام غلط فہمیاں پیدا کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے اور اس کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوگی، اس پس منظر میں نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی نئی نسل تک اس امانت کو پہونچائیں اور برادرانِ وطن کو بھی قانونِ شریعت کی اہمیت، افادیت اور حکمت ومصلحت سے واقف کرائیں، تاکہ منفی پروپیگنڈوں اور بہتان تراشیوں کا سدِ باب ہوسکے۔

❁❁❁❁

اسلام کا تصور زندگی ہی فطری ہے

سید شاہ مصطفیٰ رفاعی ندوی
رکن اساسی بورڈ، بنگلور

انسان کے تمام افعال واعمال اور حرکات وسکنات کا محور، اس کے تصورات ہوتے ہیں۔ یہ عام تصورات، دراصل اس کے چند غیر متزلزل و پختہ اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں، بالفاظ دیگر انسانی اعمال و حرکات پرتو ہوتے ہیں اندرونی جذبات اور ذہنی تصورات کا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ ''آج کل علم نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بداہۃً ثابت کردیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لئے اس کی قلبی و دماغی اصلاح مقدم ہے''۔ (سیرۃ النبی جلد ۴)۔

حیات انسانی کے تعلق سے مختلف مکاتب فکر کے تصورات کیا ہیں؟ عہد قدیم وعصر حاضر کے گہرے مطالعے سے چار نظریات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مکتب فکر کا تصور زندگی یہ ہے کہ ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''۔ عقیدۂ آخرت کے افکار پر مبنی یہ تصور حیات، عصر حاضر کا ایک عالمگیر نظریہ ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کے علمبردار مادہ پرستی میں مبتلا ہیں۔ اس نظریہ میں جواب دہی کا اندیشہ اور مسئولیت کا خطرہ نہیں ہے، لہٰذا بلا لحاظ جواز وعدم جواز، اپنے زور بازو سے، اپنی عقل ومہارت سے جو کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے، وہ سب اپنا ہے۔ انفرادی سطح سے، اجتماعی سطح سے اور حکومتی سطح سے، مسلسل رواں دواں وقوع پذیر چیرہ دستیاں اور غصب وغبن کی کارروائیاں، اسی نظریہ کی دین ہیں۔ دوسرا ایک گروہ ہے جو ''متاع حیات'' ہی کا منکر ہے۔ دنیاوی لذائذ وآسائشیں تو درکنار، خود دنیوی زندگی ہی کو سراسر گناہ سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی روح کے لئے مادی آسائش، ناپاکی وآلائش کا حکم رکھتی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی صفحہ ۱۷ تا ۵۴)۔ اسی تخیل نے اس گروہ کے لئے دنیا اور اس کی زندگی میں کوئی دلچسپی باقی نہیں چھوڑی اور وہ زندگی سے فرار ہوکر جنگل وبیابان میں یوگ وتپسیا اور نفس کشی سے اپنے تمام احساسات کو مارتا ہے اور ریاضت و رہبانیت کے ذریعہ خواہشات کو دباتا اور کچلتا ہے۔

تیسرا مکتب فکر ''افراط ہی افراط'' کا حامل ہے۔ یہ اپنے کو خود مختار اور اپنے کو دوسروں سے زیادہ افضل اور بہت اعلیٰ سمجھتا ہے۔ اس نظریہ کے حاملین غرور وتکبر کی ہوا اپنے دماغوں میں ہمیشہ بھرا رکھتے ہیں اور ''من أشد منا قوۃ'' (ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟) کی صدا بھی دنیا میں پرزور انداز میں لگاتے رہتے ہیں۔ گذشتہ صدیوں کی طرح آج بھی اکیسوی صدی میں امریکہ ویورپ میں اور روس کی استبدادی و استعماری اور استحصالی تمام حرکتوں (عراق وافغانستان اور فلسطین وغیرہ ملکوں میں ظلم کی انتہاء) کے پس منظر یہی نظریہ کارفرما ہے، چوتھا مکتب فکر ''تفریط'' کی طرف مائل ہے، یہ طبقہ اپنے آپ کو احساس کمتری میں مبتلا کرکے اپنی ذات کو ذلیل وخوار کرلیتا ہے۔ بت پرستی، شجر پرستی اور چڑھتے سورج کی پوجا، اسی نظریہ کی پیداوار ہے۔

انسانی زندگی کے تعلق سے ان تمام تصورات میں صرف ''اسلام'' کا تصور ہی ایک ایسا تصور ہے جو فطرت وحقیقت کے مطابق

ہے۔ ے

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی   یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسم افلاطون

اسلامی تصورِ حیات میں دنیا اور انسان کے تعلق کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھا گیا ہے۔ نہ وہ زندگی برائے زندگی کا قائل ہے کہ زندگی صرف اور صرف برائے زندگی رہ جائے اور نہ زندگی برائے روحانیت کا قائل ہے کہ انسانی زندگی کو ''دین ودنیا'' کے نام سے دو ٹکڑے کردے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، دنیا کی کہانی از پروفیسر محمد مجیب صفحہ ۱۱۲)۔ بلکہ اسلام زندگی برائے ''عبادت'' کا تصور پیش کرتا ہے اور یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ **و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون** (میں نے جن وانس کو محض اپنی ہی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے) اور یہ کہ انسان، نائب خدا ہے، **انی جاعل فی الأرض خلیفة** (میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں) یہاں یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ اسلام میں ''عبادت اور خلافت'' کی تعریف کیا ہے؟ عبادت کا مفہوم ہے کہ آقا و مالک کی سپرد کی ہوئی ذمہ داریوں کو خوشدلی سے انجام دینا اور اپنے اختیارات کو اور اپنی قوتوں کو حاکم اصلی کے قانون کے مطابق صرف اس کی رضا کیلئے استعمال کرنا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر صفحہ ۶)۔ اور خلافت کے معنی یہ ہیں کہ وہ جس کا نائب ہے اس کی مکمل نیابت کرے اور جتنی چیزیں اس کے پاس ہیں، امین بن کر قوانین واحکام پر کاربند رہے، مالکانہ تصرف سے، من مانی استعمال سے پرہیز کرے۔

قدیم بت خانوں میں کاہن، پجاری، یہودیوں میں بنی لادی اور ان کی نسل، عیسائیوں میں حواریین اور ان کے جانشین پوپ، ہندوؤں میں برہمن کی طرح اسلام میں کوئی مخصوص فرد یا گروہ ''نائب خدا'' نہیں ہے، بلکہ پوری نوع انسانی نیابت الٰہی کے منصب پر فائز اور سرفراز کی گئی ہے۔ نیابت کا مرتبہ ہر انسان کو شخصاً حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ اس رتبہ کی ذمہ داریوں کے بارے میں جوابدہ ہے۔ ارشاد باری ہے کہ ''**علیکم بأنفسکم**'' (تمہیں پر جوابدہی ہے) اور ''**لا تزر وازرة وزر اخری**'' (دوسرے کا تم پر بوجھ نہیں) ارشاد نبویؐ ہے کہ ''**کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته**'' (تم سب نگہبان ہو اور اپنے ماتحتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے) ماتحتوں میں اہل وعیال، اہم ہیں، چنانچہ فرمان الٰہی ہے کہ **قوا انفسکم و اھلیکم نارا** (اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جانوں کو آگ سے بچاؤ)۔

''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' جو مسلمانان ہند کا مشترکہ متحدہ پلیٹ فارم ہے وہ اپنی ''اصلاح معاشرہ'' تحریک کے ذریعہ ملک بھر میں اسلام کے اس نظریہ حیات کو مثبت اسلوب میں بیان کرتا ہے تاکہ سب پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے کہ اسلام اپنے تصورات ونظریات میں ہر طرح کے غلو سے، افراط سے، تفریط سے مبرا ہے اور یہ کہ اس کے تمام اعتقادات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ چونکہ انسانی اعمال کا تمام تر دارومدار اس کے تصورات وجذبات پر ہوتا ہے اس لئے ''اصلاح معاشرہ'' کے لئے یہی پہلو سب سے اہم ہوتا ہے کہ انسانوں کی اصلاح کے لئے کہ وہ کسی بھی طور افراط تفریط، اسراف تبذیر، شر وفساد اور ہر طرح کی بے راہ روی وتجاوز سے محفوظ ہوں، ان کے دل اور دماغ کی اصلاح کی جائے تاکہ دل میں غلط وسوسے نہ آئیں اور دماغ میں ناپاک خیالات نہ ابھریں۔ ملک کے طول وعرض میں اس مؤقر بورڈ کے پلیٹ فارم سے براہ راست اور اس کی اپیل پر دیگر اداروں کی طرف سے وقفہ وقفہ سے اصلاح معاشرہ کے جلسے منعقد ہوتے ہیں اور الحمد للہ ان کاوشات کے نیک نتائج بھی ظاہر ہورہے ہیں۔ ضرورت اس کی متقاضی ہے کہ اس سلسلہ میں ہر طرح کی کوششوں میں تسلسل لایا جائے تاکہ ثمرات مضاعف ہوں۔

اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خواتین کا رول

مفتی امتیاز قاسمی۔دہلی

ساتویں اسلامی چوٹی کانفرنس کی قرار داد نمبر ۱۰/۷-ث (ق.ا) کے مطابق ۱۷-۱۹/ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۷-۱۸/اپریل ۱۹۹۵ء کے دوران اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر مقام طہران میں ''اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خواتین کا رول، کے موضوع پر تنظیم اسلامی کانفرنس(OIC) کا ایک اہم سمپوزیم منعقد ہوا۔

مختلف وفود کے افکار وآراء اور ماہرین کے پیش کردہ مقالات وتجاویز نیز تنظیم اسلامی کانفرنس کے سکریٹریٹ کی رپورٹ کی روشنی میں اس مسئلہ پر گیرائی وگہرائی کے ساتھ غور وخوض کے بعد یہ سمپوزیم تنظیم اسلامی کانفرنس کے میثاق،اقوام متحدہ کے چارٹر کے مبادیات اور خواتین کی عزت ووقار اور مقام بلند نیز اسلامی معاشرہ میں ان کی حیثیت کی حفاظت کے تئیں رکن ممالک کی ذمہ داریوں پر از سرنو زور دیتا ہے۔

چونکہ اس بات پر شرح صدر حاصل ہے کہ آفاقی مذہب ''اسلام'' انسان کی معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں اور اس کے سبھی مقاصد ومطالبات کا ہمہ گیر حل پیش کرتا ہے۔

اور چونکہ اسے امن وامان، رواداری، تعمیر وترقی او رتمام انسانوں کے حقوق میں انصاف ومساوات کے تعلق سے اسلامی ہدایات وتعلیمات پر مبنی معاشرہ کی تشکیل اور دنیا بھر میں اسلامی اقدار واصول کی لہر کو مضبوط اور مستحکم کرنے کی بڑھتی ضرورت کے تئیں مسلمانوں کے خدمات واحساسات کا اعتراف ہے۔

اور اسے اس امر پر بھی یقین ہے کہ ان اعلی مقاصد کا حصول تمام مسلمانوں کی شرکت کے بغیر ممکن نہیں،جس میں مسلم خواتین (جوامت اسلامیہ کا نصف حصہ ہیں) کی سرگرم وفعال حصہ داری شامل ہے۔

اور مختلف معاشرتی، ثقافتی، سیاسی، اقتصادی، عائلی شعبوں میں خواتین کے حقوق وحیثیت کے متعلق اسلامی تعلیمات اور احکام الہیہ کے نفاذ پر زور دیتا ہے۔

اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خواتین کے مؤثر رول پر توجہ مبذول کرانے کے لئے ملت اسلامیہ کے تمام شعبوں میں ان کی مساوی اور ہمہ جہت تعمیر وترقی کو بڑھاوا دینے کے لئے اسلامی ملکوں کے درمیان اشتراک وتعاون کی ضرورت پر ایک بار پھر زور دیتا ہے۔

عورتوں کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی شکل بگاڑنے کی تمام تر کوششوں کا مقابلہ کرنے نیز مسلم خواتین کے مقام ومرتبہ اوران کے کردار کے تعلق سے آفاقی دین اسلام کی صحیح صورت پیش کرنے کے مقصد سے اسلامی وزراء خارجہ کی ۲۳رویں اسلامی کانفرنس حسب ذیل تدابیر اختیار کرنے کی سفارش کرتی ہے:

۱-۱ اسلامی معاشرہ میں اسلامی تعلیمات نے خواتین کو جو ممتاز مخصوص رول عطا کیا ہے،اس حقیقت کا اعتراف اور ایسی مثبت پالیسی سازی جو مختلف ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں خواتین کو فعال وسرگرم اور تعمیری حصہ داری کا حق دیتی ہو۔

۱-۲ خواتین اوران کے حقیقی رول اور احترام ووقار کے تعلق سے اسلام کے صحیح موقف کو مضبوط ومستحکم کرنا اور خصوصاً ذرائع ابلاغ اور درسی کتابوں کے توسط سے اسے منظر عام پر لاکر اسلامی معاشرے میں حقیقت کا روپ دینا اور فکر اسلامی میں درآئے

بدعات وخرافات اور بگڑی ہوئی شکلوں سے لگ بھگ اسلامی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ عورتوں کی مثبت امیج کو سب کے سامنے لانے کی ہر ممکن جدوجہد کرنا۔

۱-۳ اس حقیقت پر زور کہ مسلم خواتین کو دینی معاملات میں تفقہ حاصل کرنے اور اجتہاد کی شرطیں پائی جانے کی صورت میں اجتہاد کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

۱-۴ اسلامی تعلیمات کے مطابق مناسب معاشرتی، سیاسی، ثقافتی، اخلاقی اور مالی حالات اور متوازن ماحول پیدا کرنا جس سے کہ مسلم خواتین کی شخصیت کی تعمیر وترقی ممکن ہو سکے اور مسلم معاشروں خصوصاً مسلم خواتین کی شخصیت وشناخت پر منفی اثرات مرتب کرنے والے ثقافتی حملوں کی تمام شکلوں کا انکار ورد بھی ممکن ہو سکے۔

۱-۵ اسلامی جماعتوں، اقلیتوں خصوصاً مسلم خواتین اقلیتوں کے بنیادی انسانی حقوق کے احترام کی ضمانت کے لئے تمام تر کوششیں کرنا، جس میں مسلم خواتین کے دینی شعائر پر عمل پیرا ہونے کا حق بھی شامل ہے۔

۱-۶ غیر شرعی روایات، جنسی زیادتی، اسمگلنگ، بردہ فروشی، اباحیت پسند منظر کشی، جنسی استحصال اور خانگی تشدد سمیت عورتوں کے استحصال اور ان پر تشدد کی تمام شکلوں کا خاتمہ اور ان کے اسباب وعلل کی تحقیق وجستجو کرنا، اسی طرح مسلح تصادم کے نتیجہ میں عورتوں کے خلاف تشدد وزیادتی کے استعمال کا خاتمہ۔

۱-۷ شریعت اسلامی میں عورتوں کے حقوق، مقام ومرتبہ اور ان کے کردار کے تعلق سے اسلامی تعلیمات کے تئیں مسلم مرد وعورت کے درمیان بیداری پیدا کرنا۔

۱-۸ شریعت اسلامی کے تقاضوں کے مطابق مرد وعورت کے درمیان اپنے ذاتی، عائلی اور اجتماعی حقوق وواجبات کے تئیں بیداری پیدا کرنا نیز ان کے حقوق کی حصولیابی اور واجبات کی مکمل ادائیگی کی خاطر مناسب ماحول فراہم کرنا اور متعلقہ قیادتوں سے مطالبہ کرنا کہ وہ خواتین کو مناسب تحفظ فراہم کریں اور عام زندگی میں شرکت کے لئے ان کی ہمت افزائی کریں تا کہ جہاں وہ اپنے خاندان وگھریلو ذمہ داریوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے پر قادر ہو سکیں وہیں سیاسی اور معاشرتی حقوق کے تعلق سے آزاد فیصلہ لے سکیں۔

۱-۹ شریعت اسلامی میں عورتوں کو دیئے گئے ذاتی ملکیت آمدنی وغیرہ کے تعلق سے خصوصی حقوق وامتیازات کے تئیں جذبہ احترام اور بیداری عام کرنا۔

۱-۱۰ تمام میدانوں میں خواتین کی ترقی کے مقصد سے قومی بجٹ اور ترقیاتی پروگراموں کے فریم ورک میں ضروری وسائل مختص کرنا اور منصوبہ بندی کو بڑھاوا دینا۔

۱-۱۱ عائلی اور معاشرتی زندگی میں مسلم خواتین کے اساسی کردار سے ہم آہنگ مختلف میدانوں میں نسائی لیاقتوں اور صلاحیتوں کی ہمہ جہت اور مکمل ترقی کے لئے ضروری سہولیات اور مناسب ماحول فراہم کرنا۔

۱-۱۲ عصری تعلیم کے مواقع، پیشہ ورانہ تربیت کی سہولتیں فراہم کرنے، جہالت ختم کرنے والے مراکز قائم کرنا نیز شریعت اسلامی اور معاشرتی زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں ترقی دینا۔

۱-۱۳ سماجی وقانونی عوامل کا تعاون تا کہ خواتین اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں مثلاً بار خبرت، تعطیل ولادت، اوقات ورزش وتربیت اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے مراکز کا قیام۔

۱-۱۴ ایسے تمام پیداواری کاموں کے مواقع فراہم کرنا جن سے عورتوں کو آمدنی ہو اور جن کے ذریعہ اسلامی معاشروں کی ہمہ جہت تعمیر وترقی میں ان کا رول مستحکم ہو اور یہ مقصد معاشرتی تحفظ

اور رفاہ عام کو فروغ دے کر اور پیداواری ملازمتیں پیدا کر کے مناسب ومساوی منصوبہ بندی کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۱-۱۵ معاشرتی تعاون اور دوسری امداد کی ضرورتمند خواتین کو لازمی مالی اور معاشرتی تعاون دینا اور خاندانوں کو تحفظ فراہم کرنا۔

۱-۱۶ بنیادی طور پر خواتین پر اثر انداز افلاس وتنگ دستی کے خاتمہ کے لئے ملکی اور عالمی تعاون ومنصوبہ بندی کا فروغ۔

۱-۱۷ پیداوار وترقی میں دیہی خواتین کے اہم رول پر توجہ مرکوز کرنا اور ضروری وسائل تک ان کی رسائی کو آسان بنانا جن میں قرض، زمین، محفوظ قیمت اور مارکٹنگ شامل ہیں، اور دیہی وشہری خواتین کی جماعتوں اور یونینز کو تعاون دینا کیونکہ یہ ان کی ثقافتی، اقتصادی اور معاشرتی فلاح وبہبود کے کارگر عوامل ہیں۔

۱-۱۸ جدید ترین مفت طبی اور دوسری متعلقہ سہولیات تک عورتوں کی مکمل رسائی کو ممکن بنانا، اس میں خاندانی تنظیم او ربچوں کی پیدائش سے متعلق تندرستی، حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش شامل ہیں بشرطیکہ وہ اسلامی مبادیات سے مغائر نہ ہوں۔

۱-۱۹ ان تمام مختلف ومتنوع علمی، معاشی، ثقافتی، فلاحی اور کھیل کود کی سرگرمیوں کو فروغ دینا اور ان میں تعاون کرنا جن میں خواتین حصہ لیتی ہیں۔

۱-۲۰ انفرادی واجتماعی زندگی کے مختلف میدانوں میں عورتوں کی حالت بہتر بنانے سے متعلق عملی ونظریاتی پہلوؤں پر مناسب تحقیق وریسرچ کے پروجیکٹس کی تکمیل اور اس راہ میں حائل موجودہ سبھی رکاوٹوں کی نشاندہی اور انہیں دور کرنے کے اقدامات کرنا۔

۱-۲۲ مختلف معاشروں میں مسلم عورتوں کے درمیان تجربات وخیالات کے تبادلہ وتعاون کو فروغ دینا۔

۱-۲۳ عورتوں کی حالت سدھارنے والی پالیسیوں اور پروگراموں کو منظّم کرنے اور بہتر طریقے سے انہیں نافذ کرنے کی خاطر مناسب طریقے تلاش کرنا، اسی طرح اسلامی معاشروں اور اسلامی تعلیمات میں ان کے کردار کے تعلق سے عالمی پیمانے پر معروضی معلومات منظر عام پر لانا اسی طرح دوسرے امور کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی کانفرنس کے فریم ورک میں اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ خواتین کی ایک عالمی اسلامی تنظیم قائم کرنے کے موضوع پر وزراء خارجہ کی ۲۴ رویں اسلامی کے انعقاد سے قبل حتی الامکان جلد از جلد بطریق احسن مشوروں کی تکمیل بھی شامل ہے۔

۱-۲۴ ان سفارشات میں مذکور سبھی امور کی تکمیل شریعت اسلامی کے احکام کی رو سے کی جائے گی۔

۲- سفارش کی جاتی ہے کہ عورت کے رول کے موضوع پر منعقد ہونے والی تمام عالمی کانفرنسوں، محفلوں اور اجتماعات میں اسلامی مما لک اپنے موقف کے درمیان ہم آہنگی برقرار رکھیں گے۔

۳- تنظیم کی جنرل سکریٹریٹ سے کہا جائے کہ وہ عورتوں کے موضوع پر منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں شرکت کرنے والے اسلامی وفود کے درمیان موقف میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے مشوروں کو آسان ومنظّم کرے۔

۱۷-۱۹/ اپریل ۱۹۹۵ء کے دوران اسلامی جمہوریہ ایران کی راجدھانی طہران میں اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خواتین کا کردار کے موضوع پر تنظیم اسلامی کانفرنس کے پہلے سمینار کی طرف سے پیش کئے گئے اصول وضوابط کی منظوری تاکہ خواتین کے موضوع پر عالمی کانفرنسوں میں شرکت کے وقت ان سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

ہم اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی میں خواتین کا رول کے موضوع پر OIC کے پہلے سمینار میں شریک مما لک اسلامیہ کے نمائندے چونکہ

OIC کے میثاق اور اقوام متحدہ کے چارٹر پر عمل آوری پر از سر نو زور دیتے ہیں اور خواتین کی ترقی کے لئے رہنما اسٹریٹیجی میں مذکور تعمیر و ترقی، امن و امان اور مساوات کے اہداف اور نیروبی کمیٹی برائے خواتین کی ۹۳ ویں اجلاس کی تجاویز کو اہمیت دیتے ہیں۔

اور از سر نو اس امر پر اپنے اعتماد و یقین پر زور دیتے ہیں کہ آسمانی مذاہب خصوصاً اسلام یکساں طور پر عورت و مرد اور انسانی معاشروں کی اصلاح و فلاح اور تعمیر و ترقی کے لئے ماخذ و مرجع بن سکتا ہے اور اسے بنانا چاہیئے۔

مختلف عالمی کانفرنس کی قرار دادوں کی روشنی میں اسلامی اقدار اور آسمانی تعلیمات کے احترام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے مقاصد کی حصولیابی کے لئے ہم متحد ہو کر کام کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

اور اس لئے بھی کہ چونکہ ہم خواتین کی ترقی کے لئے معنوی و روحانی ترقی کے ضامن اصلاح و فلاح اور تعمیر کے ایک نئے ماڈل کو اولین شرط قرار دیتے ہیں:

۱- ہم سفارش کرتے ہیں کہ خواتین کی عالمی کانفرنسوں کے دوران رکن ممالک اپنے موقف میں حسب ذیل تدابیر و ہدایات کو مدنظر رکھیں۔

۱-۱ زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کے وقار و عزت اور ان کے انسانی مقام بلند کا تحفظ و استحکام اور یہ اعتراف کہ پائیدار ترقی عورت و مرد کی مکمل مشارکت کا طالب ہے کیونکہ وہ دونوں ہی ترقی سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ اس کے اہم عوامل بھی ہیں۔

۱-۲ عورتوں اور لڑکیوں کے خلاف غیر شرعی فرق و امتیاز کی تمام شکلوں کے خاتمہ کے ضروری تدابیر اختیار کرنا اور ان کی ترقی کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرنا۔

۱-۳ خاندان کو معاشرہ کا ایک ایسا یونٹ تصور کرنا جس کا انحصار عورت و مرد کے درمیان مکمل تعاون پر ہے، عورتوں کا اہم رول اور اسی طرح خاندان میں ان کے حقوق اس ادارے کی بقا کے لئے بنیادی مسائل ہیں چنانچہ خاندان کے استحکام و تعاون کے لئے تدابیر اختیار کرنا واضح ہے اور یہ اعتراف ضروری ہے کہ خاندانی استحکام کی ترقی کے بنیادی اشاریوں میں سے ایک ہے۔

۱-۴ ازدواجی رشتوں سے باہر جنسی تعلقات کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ مناسب عمر میں خاندان کی تشکیل کے لئے مناسب معاشی و معاشرتی تعاون کے عوامل کا قیام۔

۱-۵ انسانی معاشروں کے لئے ترقی، انصاف، رواداری اور مساوات جیسے انسانی قدروں کے استحکام میں آسمانی مذاہب بالخصوص اسلام کے رول کو اہمیت دینا۔

۱-۶ دینی اقدار، ثقافتی شناخت، ملکوں کی خود مختاری اور ان کی زمین کی سلامتی نیز ان کے داخلی امور میں دخل اندازی نہ کرنے کی رعایت اور تمام عالمی مجلسوں میں اس کا لحاظ اور باہر سے تھوپے گئے کسی بھی معاشرتی ماڈل کی تردید و انکار۔

۱-۷ تفریق و امتیاز کے تمام رویوں اور ناحق دین کی طرف منسوب رسم و رواج کی تمام شکلوں کی تحقیق کرنا تاکہ بنیادی طور پر مرد و عورت کو اسلام کے دیئے گئے وقار و احترام کو کم تر کرنے والے ان کے منفی اثرات کا ازالہ کیا جا سکے اور ان کے نتائج کو عام کیا جا سکے۔

۱-۸ عورتوں کے خلاف تشدد کی تمام شکلوں کو ختم کرنے کے لئے کارگر تدابیر اختیار کرنا، اس میں خواتین کا جنسی استحصال، تجارت، اباحیت پسند تصویر کشی اور ذرائع ابلاغ میں انہیں ایک جنسی شئی کے طور پر پیش کرنا شامل ہے، اس لئے کہ معاشرے میں ان کا مقام و مرتبہ کافی بلند ہے۔

۱-۹ سبھی ملکوں اور تنظیموں میں معاشرتی اور اقتصادی پروگراموں میں عورتوں کے لئے مساوی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حقوق کی ضمانت۔

۱۰-۱ خواتین کی ضروریات وتوقعات کو سامنے رکھتے ہوئے افلاس وتنگ دستی کو ختم کرنے والی پالیسیوں کو خصوصی اہمیت دینا۔

۱۱-۱ اس امر کا اعتراف کہ عورتوں اور کم سن بچیوں کے تحفظ کے لئے نسل کشی اور .... کی روک تھام اور جنگلوں میں ان کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے عمل کا خاتمہ اور مسلح تصادم کے حل کی خاطر اقدامات وغیرہ کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۲-۱ پناہ گزیں اور ترک وطن کرنے والی خواتین کے قانونی، اقتصادی اور معاشرتی تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کرنا۔

۱۳-۱ خاندان کے فریم ورک میں خاندانی نظم ونسق، تربیت، خدمات اور ولادت وصحت کے تعلق سے کارگر متوازن طبی سہولیات سے استفادہ اس اعتراف کے ساتھ کہ خاندانی منصوبہ بندی کے لئے اسقاط کو کسی بھی صورت میں ایک وسیلے کے طور پر استعمال کرنا قطعی جائز نہیں۔

۱۴-۱ لڑکیوں کو مساوی تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنا اور قبل از وقت تعلیم منقطع کرنے کی صورتحال کو ختم کرنا تاکہ ہر بچہ زندگی کے لئے تیار ہوسکے اور اپنی صلاحیتوں کو نکھار سکے، اس سے عورتوں کی جہالت کے خاتمے میں مدد ملے گی۔

اسلامی معاشرے کی تعمیر وترقی میں خواتین کے رول پر طہران اعلامیہ کا مسودہ

چھٹی اور ساتویں اسلامی چوٹی کانفرنس منعقدہ داکار (جمہوریہ سینگال) اور کاسابلنکا (مراکش) سن ۱۴۱۱ھ و ۱۴۱۵ھ کی تنفیذ کے لئے اسلامی معاشرہ کی تعمیر وترقی میں عورتوں کے کردار کے موضوع پر منعقدہ سمپوزیم ۱۷-۱۹ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۷-۱۹/اپریل ۱۹۹۵ء بمقام طہران اسلامی جمہوریہ ایران میں شریک ہم تنظیم اسلامی کانفرنس کے رکن ممالک کے نمائندے۔

انسانیت کو روح ومادہ، علم وایمان اور دنیا وآخرت کے مابین ربط وہم آہنگی عطا کرنے اور دنیا کو متوازن عالمی تہذیب وتمدن دینے والی امت اسلامیہ کے تاریخی کردار نیز سنگین وخطرناک مادی تہذیب کے مسائل ومشکلات کا حل پیش کرنے او ربا ہم دست وگریباں مذاہب ونظریات کے درمیان الجھی انسانیت کی ہدایت کے لئے اس قوم سے جو تہذیبی رول ادا کرنے کی توقع کی جاتی ہے، اس پر زور دیتے ہوئے ہم حسب ذیل امور کا اعلان کرتے ہیں۔

۱- اسلام کے مقاصد میں ایسے معاشرہ کی تشکیل بھی ہے جہاں تعمیر وترقی کے عمل میں مرد وزن کا مکمل رول ہو، اسلام وہ پسندیدہ مذہب ہے جس نے خواتین کو ان کی شخصیت، صلاحیت اور توقعات واحساسات اور زندگی میں ان کے بنیادی رول سے پوری طرح ہم آہنگ، مکمل حقوق عطا کئے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق معاشرہ ایک ایسا مکمل یونٹ ہے جو یکساں طور پر مرد وعورت کے تعامل سے مکمل ہوا ہے، قرآن کریم اور سنت نبویؐ اپنے زندہ وتابندہ عناصر کے ساتھ امت اسلامیہ کی وحدت پر زور دیتے ہیں، چنانچہ اسلامی معاشرے میں مرد وعورت کی اپنی اپنی شخصیت اور مقام ومرتبہ ہے۔

۲- آسمانی مذاہب میں معروف نقطہ نظر کی طرح اسلام، خاندان کو پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل کے لئے بنیادی پتھر تصور کرتا ہے اور کسی بھی دوسرے من گھڑت خاندان کے تصور کو رد کرتا ہے اس لئے کوئی بھی متبادل جنسی رشتہ اسلام کے اندر جائز نہیں اور خواتین کے امومت اور دوسری خصوصیات کے تقاضوں کے مدنظر اس خاندانی عمارت کی فلاح وبہبود اور استحکام میں ان کے بنیادی رول کی اسلام تعیین کرتا ہے۔

۳- خواتین کی زندگی میں امومت ان کی ایک فطری ذمہ داری ہے اور وہ بطریق احسن اپنی ذمہ داری کو نبھانے اور آنے والی نسلوں کی اچھی طرح پرورش وپرداخت کی ذمہ داری اسی وقت نبھا سکتی ہیں جب انہیں اپنے حقوق سے مستفید ہونے اور زندگی کے دوسرے تمام شعبوں میں سرگرم کردار نبھانے کے پورے مواقع حاصل ہوں۔

۴- انسانی عزت ووقار میں مرد وعورت برابر ہیں اور جس طرح عورتوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اسی طرح ان کے حقوق بھی ہیں اوراگر چہ عورت ومرد کی طبعی خصوصیات وامتیازات مختلف ہوتی ہیں لیکن معاشرتی اور خاندانی ذمہ داریوں میں یقیناً وہ ایک دوسرے کے تکملہ ہیں اورخواتین کی اپنی شہری شخصیت اور معاشرتی، سیاسی، ثقافتی اور معاشی حقوق وواجبات ہیں۔

۵- اس دور حاضر میں امت اسلامیہ کی تعمیر وترقی میں خواتین کی شرکت ایک لازمی وناگزیر ضرورت ہے اس طرح اقتصادی ثقافتی اور سیاسی تمام میدان میں ان کو ان کے بنیادی اہم رول ادا کرنے پر قادر بنانے کے مقصد سے ہر طرح کی مادی وروحانی مواقع فراہم کرنا اسلامی مقاصد میں سے ہے۔

۶- ہمہ جہت اقتصادی ومعاشرتی عمل ترقی میں عورت ایک بنیادی عنصر ہے وہ اس سے مستفید بھی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ضروری وسائل کے حصول اور مختلف ملازمتیں اختیار کرنے اور فیصلہ لینے کے عمل میں (Decision making) معاشرتی انصاف وتوازن کے اصول کے تحت مشارکت ان کا فطری حق ہے، مگر اسلامی روح اور مقاصد شرع سے ہم آہنگی ضروری ہے۔

۷- مسلم خواتین کو تنظیمی تربیت فراہم کرنا لازمی ہے تاکہ وہ اپنے رول سے متعلق ضروری وسائل ومسائل کی تحدید کرسکیں اور اسلامی معاشرے کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار نبھانے کے لئے عملی نتائج تک پہنچنے اور اپنی شخصیت ووقار کے تحفظ کی خاطر اسلامی اقدار اور اصول وضوابط پر مبنی مطلوبہ مقاصد کی حصولیابی کے لئے مناسب اقدامات کرسکیں۔

۸- ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کرنے کے مقصد سے اسلامی ممالک میں مختلف خواتین تنظیموں او رداداروں کے درمیان مسلسل رابطہ کو بڑھاوا دینے کے لئے کام کرنا بھی ضروری ہے۔

۹- تمام میدانوں میں احترام خواتین کی دعوت وتبلیغ اور ان کے خلاف جاری تشدد کی تردید اور جنسی زیادتی، خواتین کی تجارت، بردہ فروشی، خانگی تشدد، جنسی استحصال، اباحیت پسند تصویر کشی کا خاتمہ جیسا کہ کچھ معاشروں میں ایسے مظاہر وواقعات رونما ہورہے ہیں جو خواتین کے لئے رسوا کن اور ان کے وقار کے منافی اور ان کے شرعی حقوق کے خلاف ہیں۔

۱۰- خواتین کے مثبت رول کو تقویت دینے کے لئے ذرائع ابلاغ کا قیام اور میڈیا میں عورتوں کے استحصال کی تمام شکلوں کی تردید، اسی طرح ان کی شخصیت ووقار اور اعلی اقدار وفضائل کے منافی ذلیل ورسوا کن پروپیگنڈے کی مخالفت۔

۱۱- کمزور وناتواں جماعتوں، خواتین خصوصاً وہ خواتین جو مسلح تصادم، غیر ملکی قبضہ، افلاس وتنگی غیر ملکی اقتصادی پابندیوں اور دباؤ کی شکار ہیں کے مصائب وآلام کو ختم کرنے کی تمام تر کوششیں کرنا۔

۱۲- پائیدار اور دائمی ترقی اسی وقت ممکن ہے جب اس کی بنیاد دینی واخلاقی اقدار پر ہو، یہی وجہ ہے کہ ہم اجنبی معاشرتی وثقافتی تصورات تھوپنے کی کوششوں کی مخالفت اور عورتوں سے متعلق اسلامی احکام وتصورات کے خلاف بعض حلقوں کی طرف سے جاری مسلسل حملوں کے تئیں اپنی تردید ومذمت کا اعلان کرتے ہیں۔

۱۳- اس اعلامیہ کے کسی بھی آرٹیکل کی توضیح وتشریح کے لئے شریعت اسلامی کے بنیادی مصادر وماخذ ہی تنہا مرجع ہیں۔

اسی سال طہران کانفرنس سے قبل سابق صدر ایران کی بیٹی فاطمہ ہاشمی رفسنجانی نے قاضی مجاہد الاسلام صاحب کو حسب ذیل خط بھیجا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب مجاہد الاسلام قاسمی صاحب

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ دو دہائیوں میں پوری دنیا کے اندر خواتین کی حیثیت اور ان کے مسائل پر کافی بحثیں ہوئی ہیں اور تقریباً ہر عالمی کانفرنس میں خواتین کے خصوصی مسائل وموضوعات زیر بحث آئے ہیں اور حال ہی میں بیجنگ میں منعقدہ کانفرنس بھی انہیں میں سے ایک

ہے۔ جس میں حکومتوں کے ذریعہ خواتین کے مسائل ومعاملات کے حل کے لئے وسیع پیمانے پر عملی پروگراموں کی تدوین وتوثیق عمل میں آئی اس طرح گذشتہ کئی سالوں میں عالمی، ملکی اور علاقائی سطح پر ہزاروں تنظیموں اور اداروں کی تاسیس عمل میں آئی، جن کا مقصد وسیع پیمانے پر پوری دنیا میں نسائی حقیقت کا ارتقاء ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات مرد وعورت اور اسی طرح خاندان کو بے حد اہمیت دیتی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی برکت سے ۱۴ر صدیوں سے رائج ہے مگر اپنے ملکوں میں خواہش کی آزادی کے لئے مغرب کی برسہا برس کی کوششوں کے باوجود خواتین کے حقوق اسلام کے حقیقی سایہ میں مغرب کی خواتین کی حاصل کردہ آزادی سے بدر جہا بہتر ہیں۔

لیکن بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ اسلامی معاشرہ میں شعور وبیداری کی کمی اسلامی ملکوں میں مسلم خواتین کی تنظیموں اور اسلامی نسائی ارضالات وموصلات اور اداروں وغیرہ کی قلت اور ملکی سطح پر خواتین کے موضوعات سے حکومت کی عدم توجہ کے سبب اسلامی ثقافت، تعلیم اور دوسرے بہت سے شعبوں میں مسلم خواتین کی سطح کافی گر چکی ہے۔

یہاں تک کہ عالمی خواتین کے حلقوں کا بھی یہی حال ہے اور مسلم خواتین کے درمیان تعلق اور اشتراک عمل نہ ہونے کی وجہ سے خواتین کے مسائل کو سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا بلکہ بسا اوقات وہ لا پرواہی یا رد کا شکار ہو جاتا ہے۔

اور اب جبکہ خواتین کے مسائل کی تحقیق وشرح اور ان کے مقام ومرتبہ کو بلند کرنے کے مقصد سے تنظیمیں اور ادارے قائم ہو چکے ہیں اور تنظیم اسلامی کانفرنس میں مسلم خواتین کی تنظیم کے قیام کے لئے سالوں سے تجویزیں پیش کی جا رہی ہیں اور تیرہ سالوں سے مسلم خواتین کی تنظیم کی تشکیل کے متعلق مسائل کا مطالعہ کر رہی ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔

اس طرح کسی تنظیم کے قائم نہ ہونے کہ سبب ہم مسلم خواتین کی الجھنیں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں۔ اسلامی حکومتوں کے تعاون کے ذریعہ اس تنظیم کے بس میں ہے کہ وہ مسلم خواتین کے اقدار وحقوق کے دماغ میں اسلام کے جھنڈے تلے آواز اٹھائے تا کہ اجنبی تعلیمات وثقافت کا اثر ورسوخ اور غلبہ ممکن نہ ہو سکے۔

سال گذشتہ ماہ اپریل میں طہران میں اسلامی معاشرے میں خواتین کے رول کے موضوع پر OIC کا پہلا سمپوزیم منعقد ہوا جس میں OIC کے ۳۳ر رکن ممالک کے نمائندے شریک ہوئے جن میں سے تقریباً سبھی نے خواتین کے مسائل اور OIC میں مسلم خواتین کی تنظیم کے قیام کی طرف OIC اور اسی طرح ان رکن ممالک کی توجہ کی ضرورت پر زور دیا اور شرکاء نے تین دستاویزوں پر دستخط کئے، ان میں سے ایک دستاویز ان سفارشات پر مشتمل ہے جو OIC نے رکن ممالک کے وزراء خارجہ سے کی گئی ہیں کہ وہ ان دستاویزوں کی طرف توجہ دیں اور بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کے آئندہ اجلاس میں اظہار رائے کے لئے انہیں پیش کیا جائے۔

ان دستاویزوں کے دوسرے اہم مسائل کے ساتھ ساتھ ایک عالمی تنظیم کے قیام پر اتفاق کلی بھی ہے اور یہ کہ اسلامی معاشرہ اور حکومتیں طہران سمینار کی سفارشات کے قیام کی تصدیق کریں اور مسلم خواتین کی عالمی تنظیم کی تاسیس کے موضوع کو تقویت فراہم کریں۔

ہمیں یقین ہے کہ علماء کرام وفقہاء عظام اور آپ کی سرپرستی میں اس تنظیم کے قیام کے ذریعہ نسائی معاشرہ کی اصلاح وفلاح اور تعمیر وترقی کے لئے لازمی زمین تیار ہو سکے گی اور اس طرح اسلامی تعلیمات کے سایہ تلے آنے والی نسل ترقی کے زینے چڑھتی چلی جائے گی۔ وباللہ التوفیق

مخلصہ: فاطمہ ہاشمی رفسنجانی

قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے اس خط کے جواب میں متعدد

تجاویز ارسال کیں اور لکھا کہ اسلامی قوانین وتعلیمات کی روشنی میں اجتہادی روح کے ساتھ قوانین کے گوناگوں مسائل کو حل کرنے کی کوشش، ایک اچھا قدم ہے۔ آپ اپنی کوششوں میں علماء کی آراء سے برابر استفادہ کریں۔

قاضی صاحب نے فاطمہ ہاشمی کے خط کے جواب میں جو تجاویز پیش کیں ان میں یہ تجویز بھی تھی کہ خواتین کی ترقی کے لئے مختلف سطح پر کیا کیا اقدامات ممکن ہیں جن سے کہ امت مسلمہ کا یہ اہم ترین حصہ یعنی صنف نازک، دینی اور علمی وعملی اعتبار سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ قاضی صاحب نے تحریر کیا کہ مسلم طالبات کے لیے بھی ایک انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی قائم ہونی چاہئے جہاں مسلم طالبات تمام علوم وفنون بہ آسانی پڑھ سکیں۔ قاضی صاحب نے یہ بھی تجویز دی کہ مسلم طالبات کی تعلیم سکینڈری سطح تک ہر مسلم ملک میں مفت اور لازمی ہونی چاہئے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے بھی ان کو تمام سہولتیں اور آسانیاں فراہم ہونی چاہئیں۔ انہوں نے تجویز کیا کہ خواتین کی صحت، ترقی اور تعلیم کے لیے ہر مسلم ملک کے اعتبار سے تفصیلی پروگرام بنانا چاہئے۔ انہوں نے یتیم، معذور اور بے سہارا مسلم بچیوں کے لیے ایک مستقل نظام کفالہ تشکیل دینے کی تجویز پیش کی۔ انہوں نے او آئی سی اور اس کے ممبر ممالک کو یہ تجویز دی کہ وہ مسلم طالبات کے لیے ٹیکنکل انسٹی ٹیوشن بنانے اور قائم کرنے میں اپنا بھرپور تعاون پیش کریں۔ قاضی صاحب نے بھی لکھا کہ مسلم خواتین کی او آئی سی کے تحت ایک عالمی اسلامی تنظیم ہونی چاہئے جو نہ صرف مسلم ممالک کی خواتین بلکہ مسلم اقلیتوں کی خواتین کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرکے تجزیاتی رپورٹ تیار کرے اور ان کے لیے سفارشات او آئی سی اور دیگر بین الاقوامی اداروں کو پیش کرے۔

والسلام

طہران میں منظور شدہ تجاویز کو بین الاقوامی فقہ اکیڈمی جدہ شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے غور وفکر کے لیے بھیجا گیا جسے فقہ اکیڈمی جدہ نے اپنے فقہی سمینار میں فقہاء عالم کے سامنے رکھا۔ ان تجاویز پر جب مباحثہ شروع ہوا تو قاضی مجاہد الاسلام قاسمی (سکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے اپنی ایک تحریر وہاں پیش کی جس میں انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ تجاویز جو اسلامی سماج کی ترقی میں عورت کے کردار سے متعلق ہیں، بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور شارع نے خواتین کی حفاظت اور ان کے حقوق کی تائید ونصرت وحمایت کے جو پہلو بیان کیے ہیں، ان سے یہ تجاویز متعلق ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری رائے یہ ہے کہ ان تجاویز کو از سر نو مرتب کیا جائے جس میں شریعت اسلامی کے تمام احکام ومقاصد اور روح کی رعایت رکھی جائے۔ تاکہ شریعت کے مزاج اور اس کی روح پر کوئی اشکال وارد نہ ہو سکے۔ اسی طرح تجاویز کے بعض جملوں اور عبارتوں کو مزید واضح اور مقید ومشروط کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ خاص طور پر ایسے قیود وشرائط لگانے کی جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہے، کیونکہ تجاویز سے بعض جملوں کے ظاہری مفہوم سے قاری کا ذہن الجھ سکتا ہے۔

مثال کے طور پر چند عبارتوں کو میں ذیل میں ذکر کرتا ہوں:

الف۔ تجویز میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ ایسے ایجابی طریقۂ کار کا اختیار کرنا جس کے نتیجہ میں عورت کو مختلف اقتصادی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی میدانوں میں سرگرم، تعمیری اور مؤثر شرکت کا حق حاصل ہو، ضروری ہے۔

میری رائے میں عورت کی تمام اقتصادی اور سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ موجودہ دور میں سیاست، دینی سیاست کے کلیتًا مغایر ہے۔ اس لیے یہ اگر تجویز ان ملکوں میں نافذ کی گئی جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، مثال کے طور پر ہندوستان جہاں کی ہندوستانی حکومت نے سیاست میں خواتین کی شرکت کے لیے 33 فیصد کا کوٹہ ریزرو کیا ہے۔ اگر اس تجویز سے آزاد سیاست مراد لی گئی تو بہت مشکل ہوگی اور وہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہوگی نیز یہ قابل قبول نہ ہوگی اور اگر اس تجویز سے کچھ اور مراد ہے تو پھر وہ کیا ہے؟

ب۔ وہ ثقافتی سرگرمیاں جس میں خواتین اس زمانہ میں شرکت کریں گی، وہ کیا ہیں؟ اس لیے کہ اس زمانہ میں ثقافت کا لفظ ایک ایسی مہذب

اصطلاح ہے جس کا اطلاق ہر طرح کی عریانیت، رقص وغنا اور فسق وفجور پر ہوتا ہے، اس لیے ثقافتی سرگرمیوں کی تعبیر کی بھی وضاحت ضروری ہے۔

اس لیے وہ تمام اصطلاحات جو تجاویز میں ذکر کی گئی ہیں، ان سے استفادہ کے لیے قید وشرط لگانا ضروری ہے۔ تا کہ وہ شریعت کے اصول وضوابط سے متصادم نہ ہوں۔

د۔ ایک تجویز میں کہا گیا ہے کہ اقتدار اور حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ ایسے امکانات وحالات فراہم کریں جن کے نتیجہ میں خواتین کی عمومی زندگی میں شرکت کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ یہ بات بھی بہت ہی حساس اور سنگین ہے اور اس تجویز کو شارع کے ارادے کے ساتھ مقید کرنا اور اسے محدود دائرہ میں لانا ضروری ہے۔

ھ۔ ایک تجویز میں کہا گیا ہے کہ ایسی منصوبہ بندی اور مناسب فنڈ کی تخصیص جس کے نتیجہ میں ترقی اور ڈیولپمنٹ کے پروگرام چلائے جاسکیں اور خواتین تمام میدانوں میں آگے بڑھ سکیں، ضروری ہے، ظاہر ہے کہ یہ تجویز بھی قابل غور ہے کیونکہ یہ مغرب کے دعویٰ سے ہم آہنگ محسوس ہوتی ہے جس میں عورت کی ترقی کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس عنوان کے پردہ میں فحاشی کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اس لیے ''تمام سرگرمیوں'' کا لفظ محتاج تشریح ہے۔ اسی طرح پیداواری عمل میں شرکت اور روزگار کے مواقع کی حوصلہ افزائی جس سے اسلامی سماج میں خواتین کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے اور ان کے لیے موزوں منصوبہ بندی کی تجویز بھی قابل غور ہے کیونکہ یہاں بھی ہر طرح کے کاموں کے مواقع فراہم کرنا نظرثانی کا محتاج ہے اس لیے کہ تمام کام خواتین کے لیے مناسب نہیں ہیں اور روزگار کے تمام میدانوں میں ان کی ملازمت بھی درست نہیں۔ اس لیے اس کو بھی شریعت کی روح ومقصد سے ہم آہنگ ومقید کرنا ضروری ہے۔

و۔ اسی طرح تجویز میں کہا گیا ہے کہ ایسی تمام سماجی، علمی، اقتصادی، ثقافتی، خیراتی اور کھیل کود کی اجتماعی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کو مالی طور پر سپورٹ کیا جائے جسے خواتین انجام دیتی ہیں۔ یہاں بھی ''کھیل کود کی سرگرمیوں'' سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ آزادی کی طرف دعوتیں دیتی ہیں؟ کیا موجودہ اسپورٹس کی دنیا میں ہم اس کا مشاہدہ نہیں کرتے ہیں جہاں خواتین مختلف قسم کے کھیلوں میں حصہ لیتی ہیں اور مسلم غیر مسلم دنیا کی نمائندگی کرتی ہیں اور اگر کھیل کود سے مراد کچھ اور ہے تو اس کی نہ صرف یہ کہ وضاحت ہونی چاہئے بلکہ اسے احکام شرع کے مطابق بنانا چاہئے۔

ح۔ ایک تجویز میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ مسلسل اور ہمہ گیر ترقی کا تقاضا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی ترقی کے عوامل واسباب اور ترقی سے فائدہ اٹھانے والوں کی حیثیت سے خواتین کی کامل شرکت ہونی چاہئے۔ مردوں کی کامل شرکت تو سمجھ میں آتی ہے لیکن خواتین کی ہمہ گیر ترقی کے لیے ان کی کامل شرکت اور اس سلسلے میں کھلی ہوئی دعوت میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام تجاویز کو دوبارہ مرتب کیا جائے اور مناسب الفاظ وتعبیرات استعمال کی جائیں۔

یہ چند سرسری باتیں تھیں، جو تجاویز کے مسودے کو دیکھنے کے بعد میرے ذہن میں آئیں اور اس پر میں نے اپنی رائے پیش کی۔ ویسے تجاویز میں بہت ہی اہم اور قیمتی باتیں اور پہلو بھی آئے ہیں۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے یہ تجویز فقہ اکیڈمی کے جنرل سکریٹری اور امارت شرعیہ کے چیف قاضی کی حیثیت سے جولائی ۱۹۹۷ء میں جدہ اکیڈمی کے اجلاس میں پیش کی۔ چنانچہ مزید غور وفکر اور مراجعت کے لیے مسودہ تجاویز کو علماء کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ آئندہ سمینار میں دوبارہ ترمیم کے بعد پیش کی گئی۔

اس پوری تجویز اور تجویز نمبر ۱۱۴ جو مسلم سماج کی ترقی میں خواتین کے کردار کے اسلامی اعلان سے متعلق ہے، کو دیکھنے کے بعد اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ نے جون ۲۰۰۶ میں منعقدہ اجلاس میں حسب ذیل تجاویز کو منظوری دی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرارداد نمبر (17/8)159

موضوع خواتین کے حالات اوران کا سماجی کردار اسلامی نقطۂ نظر سے

بین الاقوامی اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے سترہویں اجلاس میں جواردن کی راجدھانی عمان میں ۲۴ تا ۲۸/جون ۲۰۰۶ء میں منعقد ہوا، ان تمام مقالات کے مطالعہ اور جائزہ کے بعد جو اکیڈمی کو خواتین کے مسائل وحالات اور ان کے سماجی کردار سے متعلق موصول ہوئے نیز ان تمام مناقشات ومباحثات کو سننے کے بعد جو ان مقالات کے سلسلے میں اجلاس کے دوران ہوئے، اسی طرح قرارداد نمبر 114 (12/8) جو مسلم سماج کی ترقی میں عورت کے کردار کے اسلامی اعلامیہ سے متعلق ہے، کے مطالعہ کے بعد اکیڈمی حسب ذیل تجاویز کو منظوری دیتی ہے:

الف۔ انٹرنیشنل کانفرنسز جو خواتین کی سیاسی، سماجی، اقتصادی، شہری اور ثقافتی حقوق کے سلسلے میں منعقد کی جاتی ہیں، وہ اصلاً زندگی کو دین سے الگ کرنے کا مفہوم لے کر چلتی ہیں۔ بلکہ اسلام کے بعض اصول واحکام کو عورت کے خلاف تفریق وتمییز کی ایک شکل تصور کرتی ہیں۔

ب۔ عورت اور مرد کے درمیان مساوات کے نعرہ سے احتیاط وتحفظ ضروری ہے کیونکہ اس میں اسلامی احکام کی مخالفت ہے۔

ج۔ مسلم خواتین کی ان تمام حالات میں تائید وحمایت کی ضرورت ہے جن کے نتیجہ میں وہ ظلم کا شکار ہوتی ہیں اوران کے دین، عزت، شرافت اور مالی حقوق نیز ان حقوق پر جن کا اسلام نے اعتراف کیا ہے اور بین الاقوامی انسانی حقوق نے بھی جس کو تسلیم کیا ہے، پر آنچ آتی ہے۔

د۔ وہ تمام معاہدے اور تعمیر وترقی کی کانفرنسیں جو صرف مادی پہلو پر توجہ دیتی ہیں اور روحانی مقاصد سے روگردانی کرتی ہیں اور خواتین کی بنیادی، فطری ذمہ داریوں سے تجاہل عارفانہ برتتی ہیں، جن میں خاتون خانہ بننا، بچوں کی تربیت کرنا اور ماں بننا شامل ہے، اور وہ اس بات کی طرف دعوت دیتی ہیں کہ وہ ان تمام چیزوں سے آزاد ہوجائیں۔

ھ۔ خواتین سے متعلق ایسی تمام بین الاقوامی کانفرنسیں خاندان کے سماج کی تعمیر میں کردار کو حاشیہ پر لانے کی کوشش کرتی ہیں اور مختلف شکلوں میں جنسی تعلقات کو مباح قرار دیتی ہیں۔

و۔ بین الاقوامی حالات ومسائل کو دیکھتے ہوئے اکیڈمی یہ ضروری سمجھتی ہے کہ وہ ان تمام تجاویز، قرارداد اور معاہدات کو اسلامی احکام کی روشنی میں پرکھے اور جانچے۔ خاص طور پر خواتین کے مسائل سے متعلق کانفرنسز کی پوری روداد اور کارکردگی کا مکمل جائزہ لے اور وہ مسلم ممالک اور اسلامی تنظیموں کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ انٹرنیشنل فورم پہ شریعت اسلامی کے مطابق اس سے ہم آہنگ قراردادوں کی حمایت کریں اور کوشش کریں کہ شریعت اسلامی سے معارض قراردادیں منظور نہ ہوسکیں۔

اکیڈمی حسب ذیل سفارش کرتی ہے:

۱۔ خواتین سے متعلق بین الاقوامی کانفرنسز میں سرگرم شرکت کی جائے اور حصہ لیا جائے نیز سماجی مسائل میں اسلام کو متبادل کے طور پر پیش کیا جائے۔

۲۔ خواتین کے مسائل سے متعلق اسلامی موقف کو متعارف کرایا جائے، خاص طور پر وہ پہلو جو اس کے حقوق سے متعلق ہوں اور اسے عالمی زبانوں میں پیش کیا جائے۔

۳۔ اکیڈمی ایک مستقل سکریٹریٹ کے قیام کا اعلان کرتی ہے جو ورکشاپ اور سمینار منعقد کرے گی اور اس کے ذریعہ سے تمام بین الاقوامی معاہدوں کا جو خواتین کے مسائل سے متعلق ہیں، جائزہ لے کر ایک متفقہ اسلامی موقف اختیار کرے گی نیز خواتین کی سیاست میں شرکت کے موضوع اور اس کے حدود وضوابط کا شرعی احکام کی روشنی میں بھی مطالعہ کرے گی۔

واضح رہے کہ ستمبر ۲۰۰۰ء میں بھی جدہ اکیڈمی نے اپنے ۱۲ویں اجلاس میں قرارداد نمبر 12/8/114 کے ذریعہ خواتین کے کردار کے موضوع پر ایک اسلامی اعلامیہ جاری کیا تھا۔

''اَمن فکری'' کی راہ میں درپیش رُکاوٹیں

مولانا بدرالحسن قاسمی

(کویت)

''اسلام'' سلامتی کا دین ہے اور ایمان کا لفظ مادۂ ''اَمن'' کے سے مشتق ہے۔ امام راغب اصفہانی نے ''اَمن'' کا مفہوم نفس کے سکون اور خوف سے حفاظت کو قرار دیا ہے، جبکہ جرجانی نے ''اَمن'' کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ''مستقبل میں کسی نامناسب بات کے پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو''۔

قرآن کریم میں ''اَمن'' کا لفظ مختلف سیاق میں استعمال ہوا ہے، خانہ کعبہ کو رب کائنات نے امن کا گہوارہ بنایا ہے اور شریعت کی بنیاد انسانوں کے مفاد کی بجاآوری کو قرار دیا ہے۔

ابن قیم الجوزیہ کی تعبیر کے مطابق:

إن الشريعة الإسلامية مبناها و أساسها مصالح العباد فی المعاش والمعاد، وهی عدل كلها، و رحمة كلها و مصالح كلها، و حكمة كلها.

(اسلامی شریعت کی بنیاد دنیا اور آخرت میں بندوں کے مفاد اور مصلحت پر ہے، اور یہ شریعت مکمل انصاف، مکمل رحمت، مکمل مصلحت اور مکمل حکمت پر مبنی ہے)

''فکری اَمن'' یا ''فکری سلامتی'' ہی سیاسی اور اجتماعی امن کی اَساس ہے اور اسی کے ذریعہ انسانی سعادت کا مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

عقیدۂ توحید کو فکری امن میں خاص دخل ہے اور حقیقی گہرا ایمان ہی انسان کو امن وامان کا احساس دلاتا ہے، اور جب تک معاشرہ میں امن وامان نہ ہو اور لوگ خوف، ذہنی انتشار اور روحانی اضطراب کا شکار ہیں نہ معاشرہ کی اصلاح ہوسکتی ہے اور نہ ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔

اسلام نے انسان کو ہر طرح کے نقصان اور اذیت سے بچانے کی راہ دکھلائی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده ، والمؤمن من أمنه الناس علی دمائهم و أموالهم.

(مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور جسکے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے جس پر لوگ اپنی جان ومال کے معاملہ میں اعتماد کرتے ہوں)

حدیث پر ہی مبنی فقہی قاعدہ ہے کہ: **لا ضرر ولا ضرار.**

اسی طرح:

الضرر يزال. (ضرر کو دور کیا جائے گا)

بلکہ قرآن نے تو بے وجہ کسی کے خلاف تجسس اور بدگمانی سے بھی منع کیا ہے، غیبت اور بدگوئی تو حرام ہے ہی۔

رب کائنات کے ارشاد:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحجرات: ۱۲)

نے تو ایک انسان کی زندگی کو اتنا پُرامن بنادیا ہے کہ کوئی اس کے خلاف تکلیف دہ کارروائی تو کیا بدگمانی بھی نہیں کرسکتا، اور نہ اس کے ذاتی احوال کے ٹوہ میں رہ سکتا ہے۔ لہٰذا اسکی جان، مال، اس کا گھر اس کی زندگی کے راز تک سبھی محفوظ کردیئے گئے ہیں۔

دین، جان، مال، عزت، عقل یہ ان اُمور میں سے ہیں جنکے بارے میں عام طور پر دنیا میں معرکہ آرائی برپا رہتی ہے۔ انسانی معاشرہ کی بیشتر پریشانیاں ان اُمور کے بارے میں کھینچ تان، اور زور زبردستی کا نتیجہ ہیں۔

شریعت نے ان اُمور کی حفاظت کو ''مقاصد شریعت'' کا درجہ دیدیا ہے اور ان پر زیادتی کی سخت سزائیں رکھی ہیں۔ ناحق کسی کی جان لینے کی سزا

قصاص، چوری کی سزا قطع ید، زنا کی سزا کوڑے یا سنگساری، شراب کی سزا کوڑے، ارتداد کی سزا قتل وغیرہ رکھی ہے تا کہ انسانی جان ومال اور عزت وآبرو کی پورے طور پر حفاظت کی جا سکے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

إن الأمن مقصود به سلامة النفس والمال والعرض والدين والعقل وهي الضروريات الخمس التي لابد منها لقيام مصالح الدين والدنيا، وقد اتفق الفقهاء على أن أمن الإنسان على نفسه وماله وعرضه سر في التكليف بالعبادات.

(امن سے مراد نفس، مال، عزت، دین اور عقل کی سلامتی ہے اور یہ وہ پانچ بنیادی چیزیں ہیں جن کا محفوظ ہونا دین ودنیا دونوں کی مصلحتوں کیلئے ضروری ہے، چنانچہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کیلئے جان، مال اور عزت کی حفاظت عبادتوں کی فرضیت کی اَساس ہے)

حاصل یہ ہے کہ اَمن وسلامتی کی نعمت کسی طرح کھانے پینے کی نعمت سے کم اہمیت نہیں رکھتی، اگر امن نہ ہو تو زندگی کا لطف بھی باقی نہیں رہتا۔

لطف وعشرت کا مزا اُسی وقت ہے جب ماحول پُرسکون ہو اور جان ومال اور عزت وآبرو کو کوئی خطرہ درپیش نہ ہو، تہذیب وتمدن کا فروغ اور علم وہنر کی ترقی بھی امن وسکون کے ماحول کی ہی رہین منّت ہے۔

امام ماوردی فرماتے ہیں:

إذا ساد الأمن واطمأنت النفوس انصرفت إلى المعمر المثمر، والإنتاج الذي ينشر الرخاء في ربوع الأمة فتتسع الأرزاق وتقلّ الأزمات والقلاقل.

(جب امن کا دور دورہ ہوتا ہے اور دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے تو تعمیری کاموں کی طرف لوگوں کی توجہ ہوتی ہے اور ایسی پیداوار حاصل ہوتی ہے جس سے اُمت کے ہر طبقہ میں خوشحالی آتی ہے، رزق میں وسعت ہوتی ہے اور مشکلات اور بحرانوں میں کمی آجاتی ہے)

اسلام نے امن قائم رکھنے کیلئے سب سے پہلے صحیح عقیدہ کو دلوں میں راسخ کرنے پر زور دیا ہے کیونکہ سچا ایمان ہی فرد اور جماعت دونوں کی سلامتی کا باعث اور امن کا حقیقی محافظ ہے۔

شریعت نے انسانی جان کی قیمت پر زور دیا اور قتل کو روکنے کیلئے قصاص کی سزا رکھی اور ناحق ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔

اَسرارِ شریعت کے محرم راز امام ولی اللہ دھلوی اپنی مایۂ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں لکھتے ہیں:

''انبیاء علیھم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد لوگوں کے درمیان ظلم وزیادتی کو روکنا ہے کیونکہ مظالم کی وجہ سے سارا نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے''۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

فأعظم المظالم القتل، وهو أكبر الكبائر، أجمع عليه أهل الملل قاطبتهم، و ذلك لأنه طاعة النفس في داعية الغضب، وهو أعظم وجوه الفساد فيما بين الناس، وهو تغير خلق الله، وهدم بنيان الله، ومناقضة ما أراد الحق في عباده من انتشار نوع الإنسان.

پھر انہوں نے سزاؤں کی حکمت اور امن کے قیام میں جہاد کے اثر پر روشنی ڈالی ہے۔

آدمی جرائم کا ارتکاب کیوں کرتا ہے؟ اس کے اسباب نفسیاتی، جسمانی، موروثی، اقتصادی، اجتماعی اور دینی کئی طرح کے ہوسکتے ہیں۔

انسانی نفس کی پیچیدگیوں اور اسکی خصوصیات اور باریکیوں کا حقیقی علم تو صرف رب کائنات ہی کو ہے جو دلوں کے چور اور آنکھوں کی خیانت سب پر نظر رکھتا ہے۔

جرائم کے بارے میں اعداد وشمار کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج بھی اس میدان میں سرفہرست وہی ممالک ہیں جو عام طور پر متمدن اور ترقی یافتہ سمجھے جاتے ہیں، ایسے ملکوں میں جرائم کا تناسب دنیا کے دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہے۔ علمی ترقی اور جدید وسائل نے جرائم کو اور زیادہ سہل اور حد سے زیادہ خطرناک بنا دیا ہے بقول عامؔر مرحوم

ع گناہ اتنا حسین کب تھا کمالِ علم وہنر سے پہلے؟

گلوبلائزیشن یا آفاقیت نے جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں میں ہر طرح کے ہتھیار دیدیئے ہیں اور ہر طرح کی معلومات پر بھی انکی نظر ہوتی ہے جسے وہ بڑی مہارت سے استعمال کرتے ہیں۔

جرائم پیشہ لوگوں کے ایک گروہ نے ۵۰۰ ملین ڈالر اس مقصد کیلئے خرچ کیا ہے تاکہ ان کے پاس مخصوص معلوماتی نظام ہو، بلکہ بعض لوگ تو ٹیلیفون کی گفتگو، فیکس کے ذریعہ بھیجے گئے پیغام اور ہوائی جہازوں کی آمد ورفت کے پروگرام تک کے بارے میں تفصیلی معلومات رکھتے ہیں اور ان کے پاس ایسی مشینیں ہیں جو ٹیلیفون پر ہونے والے کئی ملین مکالمے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

سزاؤں کا مقصد جرائم پیشہ لوگوں کو اُن کے جرائم سے باز رکھنا اور معاشرہ کو انکی تباہ کاریوں سے بچانا ہے۔شریعت نے ایک طرف چند بڑے جرائم پر حد قائم کرنے کا حکم دیا ہے تو بہت سے دیگر جرائم پر تعزیری سزاؤں کی راہیں کھلی رکھی ہیں تاکہ اسلامی معاشرہ امن وامان کا گہوارہ بنا رہے، اور ہر طبقہ کے لوگ یکسو ہوکر تعمیری کاموں اور انسانی راحت کے پروگراموں میں لگے رہیں۔

امن کو فکر کے ساتھ جوڑنے سے پہلے فکر کا مفہوم بھی واضح ہوجانا چاہئے کہ فکر کی حقیقت سید شریف جرجانی کے الفاظ میں **ترتیب أمور معلومة لتؤدي إلى المجهول** ۔(معلوم کو اس طرح ترتیب دینا کہ وہ مجھول تک پہنچادے)

قرآن کریم نے فکر وتدبر کی دعوت دی ہے، اور عقل کو استعمال کرنے پر زور دیا ہے تاکہ ایک طرف کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں کو دیکھ کر ایمان تر وتازہ ہو تو دوسری طرف قرآن کریم کی آیات میں غور وتدبر کے نتیجہ میں اللہ کا خوف اور قلب میں خشیت پیدا ہو اور قرآن سے نئے مسائل کو سمجھنے کی راہ کھلے۔

فکر کی سلامتی پر ہی پورے انسانی معاشرہ کی سلامتی موقوف ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ایک واضح ڈگر اور روشن منہاج پر چھوڑا تھا لیکن آپؐ کے بعد دشمنان اسلام نے اسلامی عقیدہ کی صفائی کو اپنے گمراہ کن خیالات و باطل عقائد سے آلودہ کرنے کی کوشش کی لیکن اسلام تو باقی رہنے والا مذھب ہے اور طرح طرح کے طوفانوں سے گزرنے کے باوجود وہ ہمیشہ اس بات کا ثبوت دیتا رہا ہے کہ

ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

معتزلہ، خوارج، شیعہ ہر طرح کے فرقے پیدا ہوتے رہے اور عبد اللہ بن سبا، معبد جہنی، غیلان دمشقی اور جعد بن درھم جیسے لوگوں نے اُمت کا شیرازہ منتشر کرنے میں حصہ لیا اور پھر سبھی اپنے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے، اور ملل ونحل کی لمبی داستان تیار ہوگئی۔

اس طرح کے فتنوں کے رونما ہونے سے پہلے ہی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی خطرناکی سے اُمت کو آگاہ کردیا تھا چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو دیکھا کہ وہ ''تقدیر'' کے مسئلہ پر بحث ومباحثہ کررہے ہیں تو آپ نے نہایت ہی سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''یا قوم بهذا ضلّت الأمم قبلكم باختلافهم على أنبيائهم و ضربهم الكتاب بعض ببعض، و أن القرآن لم ينزل لتضربوا بعضه ببعض، ولكن نزل القرآن فصدق بعضهم بعضا وما عرفتم منه فاعملوا به وما تشابه منه فآمنوا به''.

(اے لوگو! پچھلی قومیں اسی لئے گمراہ ہوئیں کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی باتوں میں اختلاف کیا اور اللہ کی کتاب کے بعض حصوں کو دوسرے بعض حصوں سے ٹکرانے کی وجہ سے، قرآن کا نزول اس لئے نہیں ہوا کہ اسکی ایک آیت کو دوسری آیت کے خلاف پیش کیا جائے بلکہ قرآن کا نزول تو اس طرح ہوا ہے کہ اس کا ہر حصہ دوسرے کی تصدیق کرنے والا ہے لہذا اس کا جو حصہ تم کو سمجھ میں آئے اس پر عمل کرو اور متشابہ ہو تو اس پر ایمان رکھو)

اسی طرح حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت میں ہے کہ:

كنا جلوسا عند باب رسول الله صلى الله عليه وسلم نتذاكر ينزع هذا بآية، و ينزع هذا بآية فخرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم كأنما يفقأ في وجهه حب الرمان فقال: يا هؤلاء بهذا بعثتم؟ أم بهذا أمرتم؟ لا ترجعوا بعدى كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض.

(ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درخانہ پر بیٹھے ہوئے آپس

میں بحث ومباحثہ کررہے تھے ایک شخص ایک آیت پیش کرتا تو دوسرا اس کے جواب میں دوسری آیت پیش کرتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور (غصہ کی وجہ سے) ایسا لگ رہا تھا کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر اَنار کا دانا نچوڑ دیا گیا ہو آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو کیا تم اسی کیلئے بھیجے گئے ہو؟ یا یہ فرمایا کہ: اے لوگو کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے؟ میرے بعد کفر مت اختیار کرلینا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو)

ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ فساد عقیدہ کے خوف سے بعض ایسے لوگوں کی سرزنش کی گئی ہے جن سے معاشرہ میں فکری انحراف پھیلنے کا اندیشہ ہو۔

اسکی ایک واضح مثال وہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ صبیغ نامی ایک عراقی شخص مسلمان فوجیوں کے درمیان قرآن کریم سے متعلق بعض شبہات کو پھیلانے لگا، مصر میں یہ حرکت شروع کی تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسے ایک خط کے ساتھ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس بھیجدیا۔

خط پڑھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ وہ شخص کہاں ہے؟ نامہ برٗ سے کہا کہ اسے لیکر آ واور اگر وہ گرفت سے نکل گیا تو تمہیں ہی سخت سزا دوں گا۔

جب اُسے لایا گیا تو اس سے دریافت کیا کہ تم جن خیالات کا اظہار کررہے تھے وہ بیان کرو، ساتھ ہی چھڑی منگوائی اور اسکی پیٹھ پر اتنی چھڑی لگائی جس سے داغ پڑ گئے اور وہ زخمی ہوگیا، پھر جب ٹھیک ہوا تو دوبارہ پٹائی شروع کی، پھر سہ بارہ اسکی پٹائی کی، اس کے بعد پھر آنے کو کہا تو وہ کہنے لگا کہ اے امیر المومنین اگر آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو اچھے انداز سے قتل کیجئے، اور اگر میرے ذہنی افکار کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو اَب وہ پورے طور پر ختم ہوگئے، اَب میرے ذہن میں وسوسے باقی نہیں رہے، چنانچہ اسے جانے کی اجازت تو دیدی لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو تاکید کی کہ لوگوں کو اس کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے پر پابندی لگادی جائے یہاں تک کہ خود حضرت ابوموسیٰؓ نے سفارش کی کہ اب اسکی حالت اچھی ہوگئی لہذا اسکی سزا ختم کردی جائے۔

- ''فکری انحراف'' ان لوگوں میں بھی ہوتا ہے جو بظاہر انتہائی دیندار ہوں چنانچہ حضرت علیؓ نے جب نہروان کے خوارج کی سرکوبی کیلئے فوج بھیجی تو واسطہ ایسے لوگوں سے تھا جنکی پیشانیوں پر سجدے کے گہرے نشانات تھے، اور انکے ہاتھ اونٹوں کی کھال کی طرح سخت اور ان کے پائینچے چڑھے ہوئے تھے۔

''فکری انحراف'' یا انتہا پسند گروہوں کی گرفت میں آجانے کے اسباب ذاتی، موروثی، ثقافتی، سیاسی، نشریاتی، اقتصادی سبھی ہوسکتے ہیں، لہذا ''امن فکری'' کو عام کرنے کیلئے سب سے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ صحیح دینی تعلیم کی طرف توجہ دی جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشن گوئی فرمائی تھی کہ:

''إن من أشراط الساعة أن يرفع العلم و يثبت الجهل''

(قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا اور جہل عام ہوجائے گا)

اس وقت دینی تہذیب وثقافت کے لحاظ سے سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ الفاظ کے ناقلین کی کثرت ہوگئی ہے اور فہم دین اور تفقہ کی کمی، دینی علم حاصل کرنے والے بھی اس حقیقت کو فراموش کرگئے ہیں کہ کسی شخص کا ''حافظ حدیث'' ہونا ''حافظ قرآن'' ہونے ہی کی طرح بڑے شرف وفضیلت کی بات ہونے کے باوجود اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ اللہ نے اسے ''تفقہ فی الدین'' کی دولت سے بھی نوازا ہے، اور اس میں زندگی کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حکم بیان کرنے کی بھی اہلیت بھی رکھی ہے، ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم **''ربّ حامل فقه غير فقيه''** اور **''ربّ حامل فقه إلى من هو أفقه منه''** نہ فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ:

''من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين''

(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارداہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ کی دولت سے نوازتا ہے)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعمت خاص لوگوں کو ملتی ہے، ہر دینی سرگرمی سے وابستہ شخص کیلئے عام نہیں ہے۔

فکری انحراف کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ پر توجہ جس طرح دی جانے لگی اس کے معنیٰ ومفہوم کو سمجھنے اور اس سے مسائل اخذ کرنے پر توجہ باقی نہ رہی اور دینی تعلیم کے ناقص نظام اور لغت، بلاغت نحو

وصرف اور دیگر علوم میں کمزور ہونے کے باوجود کتاب وسنت کے نصوص کی تشریح اور ان سے مسائل کے استنباط کے سلسلہ میں ہر کس و ناکس کی اس طرح حوصلہ افزائی کہ وہ پچھلے فقہی ذخائر سے مستغنی ہوکر براہِ راست کتاب وسنت سے مسائل اخذ کرنے کی قدرت رکھتا ہے، نااہلوں کو مفتی کے منصب پر فائز کر دیا چنانچہ اور تشدد کا رجحان بڑھنے لگا۔

''اسناد حدیث'' سے غیر معمولی دلچسپی اور ''فقہ حدیث'' سے مکمل بے اعتنائی کی وجہ سے بھی بہت سے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دین میں ''سند'' کی غیر معمولی اہمیت ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

الإسناد من الدين ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء.

(اسناد دین کا ہی حصہ ہے، اگر اسناد نہ ہوتو دین کے بارے میں ہر شخص جو چاہے کہنے لگے)

''جرح وتعدیل'' کا فن اور راویوں کے بارے میں تحقیق کے اُصول کی ایجاد مسلمانوں کا عظیم کارنامہ ہیں جسکی داد مستشرقین نے بھی دی ہے۔ ''**الإصابة في تمييز أحوال الصحابة**'' کے مقدمہ میں ڈاکٹر ایلس اسپرنگر کہتے ہیں کہ:

''نہ گزشتہ زمانوں میں اور نہ موجودہ وقت میں کوئی ایسی قوم پائی گئی ہے جس نے مسلمانوں کی طرح ''اسماء الرجال'' جیسا عظیم فن ایجاد کیا ہو جس کے ذریعہ ہم پانچ لاکھ افراد کے احوال واخبار کو جان سکتے ہیں''

اس لئے حدیث کے صحیح وضعیف ہونے اور راویوں کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے بارے میں دلچسپی اچھی چیز ہے لیکن صرف یہی دلچسپی کافی نہیں ہے جسمیں اُمت کے سارے ہی طبقے لگے رہیں، اس کے ساتھ قرآن وحدیث کی گہری سمجھ اور فقہی بصیرت رکھنے والے لوگوں کی بھی ضرورت ہے۔

کیونکہ قرآنی آیات ہوں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقولہ احادیث ان کا اصل مقصد ان پر عمل ہے جو بغیر فہم صحیح کے ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ امام خطابی، علامہ ابن دقیق العید، علامہ ابن القیم، علامہ ابن الھمام اور علامہ کاسانی جیسے فقہ حدیث کے ماہرین بھی پیدا ہوں جو نصوص کو صحیح طور پر سمجھیں، انکے درمیان ظاہری تعارض کو دور کریں، اور پیش آمدہ اور نئے مسائل پر انکو منطبق کرنے اور ان نصوص سے مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اور قرآن کریم کی ہر آیت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث کو اسکی اپنی جگہ پر رکھ کر سمجھنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

عام طور پر فقہی بصیرت میں کمزور نوجوانوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک حدیث کو لیکر نہایت نازک مسائل میں فتویٰ دینے لگتے ہیں اور اس حدیث سے متعلقہ دوسری روایات یا قرآن کریم میں اس مفہوم کی آیتوں سے صرفِ نظر کر کے شدت پسندی کا رجحان اختیار کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں اِفراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبالغہ آرائی، تکلف اور شدت پسندی کے رُجحان کی مذمت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:

هلك المتنطعون، هلك التنطعون، هلك المتنطعون.

جسکی تصریح کرتے ہوئے امام نوویؒ فرماتے ہیں:

یعنی حد سے زیادہ گہرائی میں جانے والے، غلو کرنے والے اور اپنے اقوال وافعال میں حد سے تجاوز کر جانے والوں کیلئے ہلاکت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ:

إن الدين يسر، ولو يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددو و قاربوا، و أبشروا و استعينوا بالغدوة والروحة وشئ من الدلجة.

(دین آسان ہے اور دین کے معاملہ میں زور زبردستی کرنے والے مغلوب ہو جایا کرتے ہیں اسلئے راست روی اختیار کرو، نرمی سے کام لو مطمئن رہو اور صبح وشام کے عمل سے مدد لیا کرو)

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

یہ حدیث علامات ومعجزات نبوت میں سے ایک اہم ترین حدیث ہے چنانچہ ہم نے اور ہم سے پہلے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیا ہے کہ ہر غلو پسند بالآخر تھک اور ہار جایا کرتا ہے۔

اس حدیث میں عبادت میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی ممانعت نہیں آئی ہے بلکہ وہ تو مطلوب ہے، اس میں تو صرف غلو اور انتہا پسندی کی

مذمت کی گئی ہے اور ایسے افراط سے منع کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں آدمی تھک ہار جاتا ہے، اسی طرح نفلی عبادتوں میں ایسے مبالغہ سے منع کیا گیا ہے جسمیں افضل کو چھوڑ کر مفضول پر عمل کیا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک یہ بھی ہے کہ:

"**إياكم و الغلو في الدين**" (دین میں غلو اور مبالغہ آرائی سے بچے رہو)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث عام ہے اس میں اعمال و اعتقاد سب میں غلو سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

غلو اور انتہا پسندی صرف دینداروں یا دینی علم رکھنے والوں میں ہی نہیں ہے بلکہ اُن لوگوں میں بھی ہے جو الحاد پسند یا دین بیزار سمجھے جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات دینی حقائق کے بارے میں انکی یا وہ گوئی اور دینی شعائر کے بارے میں انکی گستاخانہ روش ہی دینداروں کی طرف سے سخت ردعمل اور انتہا پسندانہ رویہ کا سبب بنتی ہے۔

فکری انحراف کے اسباب میں سے دینی حقائق کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنے والی عقلیت پسندی بھی ہے اسلئے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ:

عقل، اللہ کی عطا کردہ نعمت اور انسانوں کیلئے امتیاز اور شرف و فضیلت کا ذریعہ ہے لیکن "عقل" کو جب غیبی اُمور کے پرکھنے کا ذریعہ اور "وحی الٰہی" کے خلاف رائے زنی کا وسیلہ بنالیا جائے تو پھر یہی عقل وبال جان بن جاتی ہے اور انسان کو ایسی وادیوں میں بھٹکاتی ہے جہاں وہ سلامتی کی راہ کھودیتا ہے۔

علامہ ابن خلدون کے بقول:

عقل، ایک میزان ہے اور اس کا حکم عموماً صحیح ہوتا ہے لیکن نبوت کی حقیقت، اور آخرت کے حقائق اور دیگر غیبی اُمور کو جاننے کیلئے اگر عقل کی ترازو کو استعمال کیا جائے تو اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص سونا تولنے کی میزان کو دیکھکر اس پر پہاڑ کو تولنے کی کوشش کرنے لگے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ترازو میں نقص ہے، اسی طرح عقل کی ایک حد ہے جس سے آگے وہ نہیں جاسکتی، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا احاطہ اس کے بس میں نہیں ہے کیونکہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوقات میں عقل کی حیثیت ایک ذرہ سے زیادہ کی نہیں ہے۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

إن اللّٰـه جعل للعقول في إدراكها حدا تنتهي إليه لا تتعداه ولم يجعل سبيل الإدراك في كل مطلوب.

(بیشک اللہ تعالیٰ نے عقل کی قوتِ ادراک کی ایک حد رکھی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتی، ہر چیز کا ادراک اس کے بس میں نہیں ہے)

- "امن فکری" کا مقصد محض دیندار انتہا پسندوں پر سختی کرنے سے پورا نہیں ہوسکتا چنانچہ جس طرح دینداروں کو غلو اور انتہا پسندی سے روکنے کی ضرورت ہے اسی طرح سیکولرزم، فلسفۂ وجودیت اور حداثت یا موڈرنزم پر ایمان رکھنے والوں کو بھی فکری انحراف اور ملحدانہ رُجحانات میں غلو سے روکنے کی ضرورت ہے کیونکہ "عقلیت پسندی" کے وہم میں قرآن وسنت کی نصوص میں شک آفرینی یا انکی ایسی تاویل وتشریح جو دیگر شرعی اُصولوں سے ہم آہنگ نہ ہو فتنہ کا باعث اور انتہا پسندی کو فروغ دینے کا سبب بنتی ہے اور پھر عام مسلمانوں میں انکے خلاف منتقمانہ جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے تشدد کے واقعات رونما ہوتے ہیں اور معاشرہ کے امن میں خلل پڑتا ہے۔

عقل ونقل کی حد بندی کیلئے امام ابن تیمیہ کی کتاب "**موافقة صريح المعقول بصحيح المنقول**" اور علامہ شبیر احمد العثمانیؒ کی "**العقل و النقل**" بے نظیر کتابیں ہیں۔

یقیناً "عقل" ہی تمام شرعی ذمہ داریوں اور فرائض و واجبات کی اَساس ہے چنانچہ بچے اور پاگل شرعی تکلیفات سے آزاد ہوتے ہیں۔

لیکن "وحی الٰہی" کا مقام عقل سے برتر ہے اور وحی کی راہ سے حاصل ہونے والا علم عقل سے برتر ہے اور دونوں کا دائرۂ کار الگ الگ ہے جو علوم وحی کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکتی۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ یونانی علوم کے عربی میں ترجمہ نے بہت سے اعتقادی فتنوں کو جنم دیا خاص طور پر یونانی الٰہیات جو درحقیقت یونانی علم الأصنام کا چربہ ہے۔ اس نے کج بحثیوں اور عقیدہ کے مسائل میں بہت سی الجھنوں کو جنم دیا۔

چنانچہ باطنیہ، خوارج، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، جہمیہ، مرجبہ اور کرّامیہ سب کو ان علوم کی وجہ سے دین میں انتشار پیدا کرنے اور اسلامی عقیدہ کے صاف اور آسان اَثاثہ کو عقلی کج بحثیوں کی آماجگاہ بنادینے کا خوب موقع ملا اور یونانی منطق وفلسفہ کی اَساس پر دینی حقائق کو ثابت کرنے کیلئے استدلال کے ایسے طریقے وضع کئے گئے جن پر مولانا رومی کا یہ قول صادق آتا ہے:

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اسلام علم کی قدردانی کرتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے عالم کا مقام بہت بلند ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا معجزہ جو عطا کیا گیا ہے وہ علمی ہے، کسی دوسری قوم کے پاس اگر علمی ذخیرہ ہو تو اسلام اس کے حاصل کرنے سے نہیں روکتا چنانچہ مسلمانوں کا پسندیدہ شعار یہ ہے کہ **الحكمة ضالة المؤمن أينما وجدها فهو أحق بها** (یعنی حکمت کو گمشدہ لعل سمجھو، جہاں پاؤ اسے اپنا مال سمجھو)

لیکن اسلامی عقیدہ وحی الٰہی پر مبنی اور ہر طرح کی تحریف وتخریف سے محفوظ ہے اس لئے اس میں باہر سے کسی طرح کی پیوندکاری کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنے آسمانی مذاہب ہیں سب کے بنیادی عقائد ایک ہی تھے، لیکن ان کے ماننے والوں نے اس میں تحریفیں کرلیں اور ایسی چیزوں کو اپنے عقیدہ کا جز بنالیا جو توحید کے منافی ہیں۔

دوسری قوموں سے سائنس وٹکنالوجی اور ادارتی وصنعتی علوم میں استفادہ پر شریعت نے کسی طرح کی پابندی نہیں لگائی ہے بلکہ اس کی ترغیب دی لیکن جہاں تک عقائد اور اخلاقیات سے متعلق نظریات کا تعلق ہے تو مسلمانوں کیلئے قرآن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتیں اسکی ضامن ہیں انکے لئے دوسری قوموں سے مدد لینے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔

شرعی علوم میں اچھے اور باصلاحیت اسکالروں کی تیاری کیلئے ضروری ہے کہ عرب یونیورسٹیوں کی شریعت فیکلٹیز کے نصاب پر نظرثانی کی جائے، اور سرکاری وغیر سرکاری سبھی دینی تعلیمی اداروں میں فقہ وحدیث کا علم حاصل کرنے والوں کی ذہنیت میں تبدیلی لائی جائے۔

مسلمانوں نے دو اہم ترین علوم ایجاد کئے ہیں جو کتاب وسنت کی صحیح تفہیم وتشریح کیلئے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک علم اُصول حدیث

دوسرے علم اُصول فقہ

علم ''اُصول حدیث'' یا علم ''مصطلح الحدیث'' ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ جو منقول علوم یا مأثور روایتیں ہیں اُنمیں سے کیا چیزیں قابل قبول ہیں اور کیا چیزیں بناوٹی اور فرضی ہیں، کونسی روایتیں صحیح ہیں اور کونسی روایتیں ضعیف ہیں۔

جبکہ علم ''اُصول فقہ'' کا کام یہ بتلانا ہے کہ شریعت کی نصوص کو کس طرح سمجھا جائے۔ اس علم کے ذریعہ انسان کو ایسی ذہنی کسوٹی مل جاتی ہے جس پر وہ جانچ سکے کہ آیت کا منطوق کیا ہے؟ اور مفہوم کیا؟ اور آیات و اَحادیث میں عبارۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص سے کیا کیا مسائل سمجھ میں آتے ہیں؟ اسی طرح تحقیق مناط، تخریج مناط اور تنقیح مناط کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور نئے پیش آمدہ مسائل میں شرعی نصوص سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

چنانچہ اگر شرعی علم حاصل کرنے والوں کو ان دو علموں سے اچھی طرح روشناس کرادیا جائے تو نصوص کی تشریح میں غلط تاویل، اسی طرح آیات واحادیث کے مفہوم کی تعیین میں افراط وتفریط کا خطرہ باقی نہیں رہتا اور دینی علوم حاصل کرکے دہشت گرد بننے کا احتمال ختم ہوجاتا ہے۔

''اَمن فکری'' کا ماحول پیدا کرنے کیلئے جو اقدامات مطلوب ہیں ان کا حاصل یہ ہے:

- ''جہاد''، ''موالاۃ''، ''تکفیر'' جیسی شرعی اصطلاحات کی ایسی علمی تشریح کی جائے جس سے ایک طرف تو انکی حقیقت ذہنوں میں اُجاگر ہو اور دوسری طرف یہ اصطلاحات ناواقف اور سادہ لوح نوجوانوں کو شرعی حدود وشرائط کا لحاظ کئے بغیر تشدد پسندانہ کارروائیوں میں پڑنے اور انتہا پسند جماعتوں کا آلۂ کار بننے سے محفوظ رکھیں۔
- غیر مسلموں کے ساتھ تعلق رکھنے کی حدود کا معاملہ بھی ان نازک مسائل میں سے ہے جن کے بارے میں نئی نسل کی ذہن سازی ضروری ہے۔ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں ''ولاء'' و ''براء'' یعنی ایمان والوں سے دوستی اور غیروں سے دوری اور براءت کا مبہم تصور پایا جاتا ہے اور

اسے عقیدہ کی حیثیت سے موجودہ زمانہ کی دینی تحریک والوں نے ذہنوں میں راسخ کرنے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجہ میں اسلام کی رواداری، اسکی تعلیمات کی جامعیت اور کفروشرک کے ساتھ نفرت کے باوجود غیروں کو اپنا بنانے یا اسلام کے دائرے میں لانے کی ذمہ داری کا تصور دھندلا ہو گیا ہے، اور شرعی نصوص میں غیر مسلموں کے ساتھ تعامل کی جو الگ الگ شکلیں وارد ہوئی ہیں ان کے بارے میں لوگوں کی واقفیت کم ہوگئی ہے اس سے بھی پرجوش نوجوانوں میں انتہا پسندی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں تمام شرعی نصوص کو سامنے رکھنے کے بعد مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کا جو صحیح خاکہ بنتا ہے وہ حسبِ ذیل ہے:

- **موالات یعنی قلبی مودّت اور ایمانی اُخوت ونصرت کا تعلق** یہ صرف ایمان والوں کا ایمان والوں سے ہی ہوسکتا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ قرآن کریم کی آیت

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ أَوْلِيَآءَ، بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ، وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (المائدہ: ۵۱)

اسی طرح آیت کریمہ: ﴿يٰـأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ﴾ (الممتحنہ: ۱)

میں کیا گیا ہے۔

- **دوسرا درجہ مدارات کا ہے۔** غیر مسلموں کے ساتھ مدارات کا تعلق تین وجہ سے رکھا جاسکتا ہے۔

انکے شر اور ضرر سے بچنے کیلئے ﴿إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾

انکے اسلام قبول کرنے کی امید پر ﴿فَأَنْتَ لَهُ تَصَدّٰى﴾

اگر وہ اپنی قوم کا سربراہ ہو اور مسلمانوں کے پاس مہمان کی حیثیت سے آیا ہو۔

تو ان تمام صورتوں میں غیر مسلموں کے ساتھ مدارات یا اکرام کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

البتہ محض اپنے ذاتی مفاد کیلئے مدارات جائز نہیں ہے جسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ﴿أَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾؟ (کیا یہ لوگ ان کافروں کے پاس عزت کے خواہاں ہیں؟)

- **تیسرا درجہ مواسات یا ہمدردی اور بہی خواہی کا ہے۔**

یہ حربی یا برسرپیکار کافروں کے ساتھ جائز نہیں، لیکن اہل ذمہ اور اُن کافروں کے ساتھ ہمدردی وغمخواری اور مواسات جائز ہے جو مسلمانوں کے درپئے آزار نہ ہوں۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقٰتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا إِلَيْهِمْ﴾ (الممتحنہ: ۸)

ان حقائق کی نہایت دقیق اور فنی تشریح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کی ہے۔

کافروں سے مدد لینے کا مسئلہ بھی علی الاطلاق حرام وناجائز نہیں ہے جیسا کہ بعض جذباتی اور کم علم نوجوانوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا ہے۔ حُنین کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان ابن اُمیہ سے مدد لی جبکہ وہ مشرک تھے۔

بنی قینقاع کے یہودیوں سے مدد لی اور مالِ غنیمت میں ان کا حصہ بھی رکھا۔

بنی خزاعہ کے ایک شخص کو قریش کے خلاف جاسوسی کے لئے متعین کیا۔ سفر ہجرت کے دوران عبداللہ بن اُریقط سے مدد لی، پھر مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا جسمیں بقائے باہم کے اُصول طے کئے۔ حلف الفضول کی تعریف کی اور اس طرح کے کسی معاہدہ میں دوبارہ شرکت کے عزم کا اظہار فرمایا، طائف سے لوٹتے ہوئے جبیر بن مطعم کی پناہ اور جوار کو اختیار فرمایا۔

اس سے ضرورت کے موقع پر کافروں کے ساتھ معاہدے کرنے اور پارلیمانی کونسلوں میں کفار کی نمائندگی کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

- موجودہ شدت پسندی اور غلو کا ایک بڑا سبب ''دین'' اور ''سیاست'' کے درمیان رشتہ کا واضح نہ ہونا بھی ہے جسکی وجہ بعض بڑے بڑے اسلامی مفکرین اور دینی تحریکوں کے بانیوں کی غلط فہمیاں یا غلط تعبیریں ہیں جس نے نوجوانوں کے ایک بڑے طبقہ کو متأثر کیا اور انکے ذہنوں میں دین کا ایسا تصور راسخ کرایا کہ گویا ''سیاست'' ہی وہ محور ہے جس کے گرد

''دین'' گھومتا ہے چنانچہ رسولوں اور نبیوں کے مشن کا مقصد بھی لوگوں کے ذہنوں میں حکومت الٰہیہ'' کا قیام بن گیا، اور عبادتیں اس کے لئے ٹریننگ کورس اور محض وسیلہ بن کر رہ گئیں۔(۱)

اسی رُجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے نامور عالم ومحقق مولانا سید سلیمان ندویؒ سیرت النبیؐ کی ساتویں جلد کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''ساری اسلامی تعلیمات میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اسلامی دعوت کا اصل مقصد حکومت کا قیام ہے اور عقائد واعمال اور احکام شریعت اور حقوق وواجبات سب اس مقصد کے حصول کیلئے تمہید کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ شرعی احکام اور حقوق وواجبات ہی اصل مقصود ہیں اور صالح حکومت کا ہونا ان اُمور کے برقرار رہنے اور ضائع نہ ہونے کا ضامن ہے لہذا حکومت کا وجود دینی نقطۂ نظر سے ان مقاصد کے حصول کیلئے ضمنی طور پر مطلوب ہے''۔

ظاہر ہے دین وسیاست کے مابین رشتہ کی صحیح وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے ہی ایک طرف تمام مجددین ناقص ٹھہرے، خلافت کو ملوکیت میں بدلنے کی ذمہ داری بعض جلیل القدر صحابہؓ کے سر جا پڑی، خلفائے راشدین تک کی زندگی میں جاہلیت کے مظاہر نظر آنے لگے۔

لیکن ان سب سے خطرناک اثر اس کا یہ پڑا کہ دعوت دین کے سارے پہلو مغلوب ہوگئے اور ساری توجہ بزور قوت سیاسی شوکت بحال کرنے پر مرکوز ہوگئی اور بچے کھچے مسلمانوں کے اقتدار میں جاہلیت کے عنصر کو ختم کرنا اصل مقصد بن گیا اور جہاد کا جذبہ اسی کے خلاف استعمال ہونے لگا جس کا ردِعمل معلوم ہوتا تھا، نتیجہ کے طور پر ہر ملک میں قائم نظام یا برسرِ اقتدار طبقہ اور دین پسند نوجوانوں کے درمیان نہ ختم ہونے والی جنگ چھڑ گئی، اور بیرونی دشمن اور استعماری طاقتوں کے خلاف مؤثر جد وجہد کی جگہ آپسی چپقلش اور مسلمان نوجوانوں کی مسلمان حکمرانوں سے جنگ نے لے لی، اور ہزاروں معصوم نوجوان اور بے گناہ لوگ اس آپسی خانہ جنگی کا شکار ہوگئے، اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے مسلمانوں کا خون خوب ارزانی کے ساتھ بہایا گیا اور آج تک یہ آویزش ختم ہونے کا نام نہیں لیتی جبکہ استعماری طاقتیں مزید علاقوں کو اپنے حلقہ اقتدار یا حلقہ اثر میں داخل کرتی جا رہی ہیں **فإلى الله المشتكى۔**

لہذا ''فکری امن'' قائم کرنے اور ''ذہنی سلامتی'' کا ماحول پیدا کرنے کی راہ میں جو واقعی رکاوٹیں ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ شرعی تعلیم کا ناقص نظام۔

۲۔ شرعی حدود کا لحاظ کئے بغیر نوجوانوں کو جہاد کیلئے ورغلانا۔

۳۔ دینی سیاسی تحریکات کے پروگراموں میں جذباتی نعروں پر زور اور دین کی گہری سمجھ سے بے توجہی۔

۴۔ جہاد، ولاء اور براء جیسی اصطلاحات کے صحیح مفہوم کا لوگوں کے ذہنوں میں واضح نہ ہونا۔

۵۔ ظاہر نصوص پر مسائل کا انحصار اور سلف اُمت کے بتائے ہوئے فہم شریعت کے اُصولوں سے غفلت اور لوگوں پر کفر وشرک کا الزام لگانے میں اسراف۔

لہذا ''اَمن فکری'' کے لئے ضروری ہے کہ:

- ایسے تعلیمی وتربیتی پروگرام تیار کئے جائیں جن سے فقہی بصیرت کے حصول کے ساتھ بیرونی اثرات اور بے موقع جذباتیت سے محفوظ نسل کی تیاری ممکن ہوسکے جو دین کیلئے قربانی کا جذبہ ضرور رکھتی ہو لیکن اسے یہ بھی معلوم ہو کہ قربانی دینے کے شرعی اُصول کیا ہیں؟ اور چھوٹے شر کو دُور کرنے کیلئے اس سے بڑے شر کو جنم دینے سے کس طرح بچا جاسکتا ہے؟ اور موجودہ عالمی صورتِ حال سے نمٹنے کیلئے شرعی اُصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ''مخصوص حالات کی فقہ'' پر عمل کیا جائے اور ''وقائی فقہ'' تیار کی جائے۔

- انسانی جان کی قیمت اور لوگوں کی جان ناحق لینے کی شناعت اور پُر امن معاشروں میں بدامنی پیدا کرنے اور فتنوں کو بھڑکانے کے نقصانات کی وضاحت کی جائے۔

یہ اور اسی طرح کی دوسری احتیاطی تدبیروں کو اختیار کرنے سے ''اَمن فکری'' کا ماحول پیدا ہوسکتا ہے۔ **واللہ ولی التوفیق،،،**

❁ ❁ ❁

تاریخ تحفظ شریعت کے درخشاں تارے

وقارالدین لطیفی ندوی

بورڈ کے دوسرے صدر (مختصر تعارف)

- نام : **علی میاں**
- کنیت : ابوالحسن
- والد کا نام : حکیم سید عبدالحئی حسنی
- بڑے بھائی کا نام : ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی
- تعلیم : آغاز اردو، فارسی اور عربی، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کیا۔
- ولادت : ۵/دسمبر ۱۹۱۳ء
- نظامت: ۱۹۶۲ء میں آپ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم منتخب ہوئے۔
- بورڈ کی صدارت: ۲۸/دسمبر ۱۹۸۳ء حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے وصال کے بعد بورڈ کے مدراس اجلاس میں ارکان نے آپکو متفقہ طور پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا صدر منتخب کیا۔
- مدت صدارت : ۲۸/دسمبر ۱۹۸۳ء تا ۳۱/دسمبر ۱۹۹۹ء
- آپ کے عہد صدارت میں بورڈ کے ۷/اجلاسہائے عام ہوئے۔
- آپ کے عہد صدارت میں بورڈ کے عاملہ کی ۳۹/میٹنگیں ہوئیں۔

۹/سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے آٹھ گیا، والدہ اور بڑے بھائی کی نگرانی وتربیت میں آپ نے یہ مقام حاصل کیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ذات والا صفات ہمہ جہت وہشت پہلو ہے، ان کی شخصیت کا ہر پہلو اپنے اندر بڑی دلکشی اور رعنائی سموئے ہوئے ہے، ان کی مذہبی، علمی، سماجی اور لسانی خدمات اپنی جگہ بڑی زبردست اہمیت اور وسعت رکھتی ہیں، انھوں نے تقریباً ایک صدی تک اپنی سحر انگیز شخصیت سے بالخصوص برصغیر ہندوپاک اور بالعموم سارے عالم کو متاثر کیا، اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ پورے عالم اسلام میں انھیں جو مقبولیت حاصل تھی، اوران کے تئیں جو احترام پایا جاتا تھا وہ بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا۔

۱۹۳۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تفسیر وادب کے استاذ مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی دعوت دیکر اپنے دعوتی مشن کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۸ء میں اپنی ادارت میں تعمیر نامی رسالہ جواب ''تعمیر حیات'' کے نام سے نکل رہا ہے، جاری کیا اور اسی سال ندوہ کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحریک پر نائب معتمد تعلیم بنائے گئے، پھر ۱۹۵۰ء میں باقاعدہ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم بنائے گئے ۱۹۵۹ء میں لکھنؤ میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے نام سے ایک ادارہ کی داغ بیل ڈالی ۱۹۶۱ء میں آپ کے بڑے بھائی کا وصال ہوا پھر ان کی وفات کے بعد ۱۹۶۱ء ہی میں آپ ندوۃ العلماء کے ناظم منتخب ہوئے ۱۹۶۲ء میں جب مدینہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے مشاورتی بورڈ کے بنیادی رکن منتخب ہوئے اور اسی سال دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ بنائے گئے، ۱۹۷۴ء میں تحریک پیام انسانیت کا آغاز کیا، ۱۹۸۰ء میں شاہ فیصل ایوارڈ ملا، اور اس ایوارڈ کی پوری رقم آپ نے افغان پناہ گزینوں، جماعت تحفیظ القرآن اور مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے لئے مختص فرمادی، ۱۹۸۱ء میں کشمیر یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دی، ۱۹۸۳ء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر منتخب ہوئے ۱۹۹۶ء میں کلید کعبہ پیش کی گئی، اور در کعبہ کھولنے کی سعادت حاصل ہوئی، ۳۱/دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ تلاوت کلام پاک کے درمیان مالک حقیقی سے جا ملے۔

تصنیفی خدمات:

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (علی میاںؒ) کی علمی وادبی، تحقیقی وتصنیفی

خدمات کا ثبوت ہزاروں صفحات پر مشتمل عربی واردو کی وہ تقریریں ہیں جن میں وہ انسانی زندگی کے ہر موضوع اور پہلو کا احاطہ کرتے ہیں، ان کے وہ سینکڑوں مقالات وخطوط ہیں جن میں وہ انسانی زندگی کے عروج وکمال، سعادت وفلاح کے راز بتاتے ہیں، ان کی وہ بیش قیمت تصنیفات وتالیفات ہیں جو اسلامی تاریخ، اسلامی تہذیب، اسلامی ادب اور اسلامی معرفت پر مشتمل ہیں۔

ان کی ''شرق اوسط کی ڈائری'' ''جب ایمان کی باد بہار چلی'' ''ارکان اربعہ'' ''تاریخ دعوت وعزیمت'' ''سیرت احمد شہید'' ''پاجا سراغ زندگی'' ''اسلامیت ومغربیت کی کشمکش'' ''دستور حیات'' ''مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' جیسی کتابیں آج بھی زندہ وتابندہ ہیں اور قیامت تک ان کا نفع وفائدہ امت وانسانیت کو پہنچتا رہے گا۔

بورڈ کے تیسرے صدر (مختصر تعارف)

- نام : **مجاھد الاسلام**
- ولدیت : مولانا عبدالاحد قاسمی
- ولادت : ۹/اکتوبر ۱۹۳۶ء
- آبائی وطن : جالہ، دربھنگہ (بہار)
- ابتدائی تعلیم : اپنے والد بزرگوار سے پھر مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ
- اعلیٰ تعلیم : ایک سال دارالعلوم مئوناتھ بھنجن، پھر ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۵ء دارالعلوم دیوبند میں
- تدریس: ۲۱/شوال ۱۳۷۴ھ سات سال تک، دوبارہ پھر ۶۹-۱۹۶۸ء ایک سال کے لئے اس طرح کل ۸/سال تدریس
- بحیثیت قاضی امارت شرعیہ میں آمد: ۱۹۶۲ء یکم شوال ۱۳۸۴ھ
- بورڈ سے وابستگی : اول دن سے
- فقہ اکیڈمی کا قیام : ۱۹۸۸ء
- ملی کونسل کا قیام : ۲۳/۲۴/مئی ۱۹۹۲ء
- بورڈ کی صدارت: ۲۳/اپریل ۲۰۰۰ء لکھنؤ تا ۴/اپریل ۲۰۰۲ء
- آپ کے عہد صدارت میں بورڈ کا ایک اجلاس عام بنگلور میں ہوا۔
- آپ کے عہد صدارت میں مجموعہ قوانین اسلامی اردو اور انگریزی میں طبع ہوئی۔
- آپ کی مدت صدارت میں بورڈ آفس کے لئے ایک اور فلیٹ خرید ا گیا۔
- آپ کے عہد صدارت میں بورڈ کے مجلس عاملہ کی ۶ میٹنگیں ہوئیں۔

فقیہ ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی ذات گرامی جامع صفات وکمالات تھی، علوم دینیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، جدید علوم، عرف وعادات اور حالات زمانہ پر ان کی گہری اور عمیق نظر تھی، وہ اپنے وقت کے بلند پایہ فقیہ، امور قضاء کے ماہر، فہم وتدبر، سیاسی بصیرت اور غیر معمولی ذہانت وذکاوت کی دولت سے مالا مال، فکر رساں اور ذہن ثاقب کے مالک تھے، انھوں نے اپنی محنت، جدوجہد، شبانہ روز کی کاوش اور سعی پیہم سے علمی دنیا اور فقہ وقضاء کے میدان میں منفرد اور ممتاز مقام بنایا، امارت شرعیہ کی مسند قضاء پر بیٹھ کر ہندوپاک اور پورے عالم میں بحیثیت قاضی شریعت شہرت پائی۔

وہ ایک کامیاب رہنما اور قائد تھے اور نازک مواقع پر امت کی ہر سطح پر صحیح رہنمائی کرتے تھے، وہ وحدت امت کے داعی تھے اور پوری امت کو شیر وشکر دیکھنا چاہتے تھے، انھوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ امت جن پریشانیوں سے دوچار ہے ان سے نمٹنے اور جن مسائل میں الجھی ہوئی ہے ان کے حل کا واحد راستہ امت کا آپسی اتحاد ہے، اس لئے ان کی زندگی کا ایک مشن یہ بھی تھا کہ امت کی صفوں میں وحدت پیدا کی جائے، اختلافی خلیج کو پاٹ کر اتحاد واتفاق کی راہ استوار کی جائے، تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے، ان کے اندر سیاسی بیداری پیدا کی جائے، اور ان کے سیاسی شعور کو جلا بخشی جائے، اس حوالہ سے انھیں خاصی کامیابی ملی، اور قوم نے انھیں اپنا رہنما تسلیم کیا، وہ بیک وقت مسلم پرسنل لا بورڈ جیسے باوقار اور متحدہ پلیٹ فارم کے صدر تھے اور امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے نائب امیر اور قاضی القضاۃ، ملی کونسل کے سکریٹری جنرل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی اور روح رواں۔ اس کے علاوہ ملک وبیرون ملک کی بہت سی تنظیموں اور اداروں کے اہم رکن اور سرپرست تھے، ابھی انھیں کھل کر امت کی خدمت اور رہنمائی کا موقع ملا ہی تھا کہ بالآخر ۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو آپ کی وفات ہوگئی۔

❁ ❁ ❁

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کا انیسواں اجلاس

مولانا بدر الحسن قاسمی

(کویت)

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کے انیسویں اجلاس میں دس موضوعات زیر بحث آئے جن میں بیشتر فقہی اور چند فکری موضوعات شامل تھے۔

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی اصلاً موتمر عالم اسلامی (OIC) کا ایک فعال جزء ہے جس میں تمام مسلم ممالک کو نمائندگی حاصل ہے، اس کے علاوہ ان ملکوں کے نمائندوں کو بھی ''خبیر'' کی حیثیت سے شرکت کرنے اور زیر بحث موضوعات پر مضامین لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے جہاں مسلم اقلیت ایک معتد بہ تعداد میں آباد ہے۔ امسال اس کانفرنس کی ضیافت متحدہ عرب امارات کی ریاست شارجہ نے کی۔

اس فقہی عالمی کانفرنس میں جو موضوعات زیر بحث تھے وہ یہ ہیں:

۱۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دینی آزادی کا مفہوم اور مرتد کی سزا کا حکم۔

۲۔ آزادئ تعبیر یا اظہار خیال کی آزادی کے حدود۔

۳۔ گھریلو زندگی میں تشدد اور عورتوں کو مارنے یا جسمانی طور پر سزا دینے کا شرعی حکم۔

۴۔ اسلامی نقطہ سے ماحولیات کی اہمیت اور اس کو آلودگی سے بچانے کا شرعی حکم۔

۵۔ اسلامی بینکوں کے معاملات کو صحیح رکھنے میں شرعی نگراں بورڈ کا رول۔

۶۔الف اوقاف کی جائیداد کی تعمیر اور عمومی منافع کی چیزیں جیسے پل، سڑکیں وغیرہ بنوانے میں BOT سسٹم کو اختیار کرنے کا شرعی حکم۔

۶۔ب کمپنیوں کے شیئرز، چیک، معنوی حقوق اور منفعتوں کو وقف کرنے کا شرعی حکم۔

۷۔ تورق کی حقیقت اور اسکی مختلف قسموں کا شرعی حکم۔

۸۔ Debt Securtization اسلامی بونڈ سازی کے احکام۔

۹۔ شوگر کے مریض کیلئے اس صورت میں روزہ ترک کرنے کا حکم (جبکہ اسے بار بار انسولین لینے کی ضرورت پڑتی ہو اور روزہ پر اصرار اس کے لئے جان لیوا ثابت ہونے کا اندیشہ پیدا کردے)۔

۱۰۔ ایمرجنسی آپریشن کی ضرورت کی صورت میں بیمار کی طرف سے اجازت کی شرعی حیثیت۔

الف۔ وہ مریض جو آپریشن کی اجازت دینے سے انکار کردے۔

ب۔ وہ بچہ جو مادر رحم میں ناف کی رسی کے گردن میں لپٹ جانے کی وجہ سے طبعی ولادت کی حالت میں نہ ہو اور آپریشن کے ذریعہ ہی اسکی ولادت میں زندہ بچنے کا امکان ہو اور اس کا ولی آپریشن کی اجازت نہ دے۔

ج۔ ایسا بچہ جس کو گردے کی صفائی یا خون کی منتقلی سے قبل آپریشن کی ضرورت ہو اور ولی اجازت دینے پر تیار نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں شریعت کا حکم کیا ہوگا؟

کانفرنس کے اختتام پر جن قراردادوں کا اعلان کیا ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

- مذہبی آزادی شریعت اسلامیہ کا ایک مسلمہ اُصول ہے جو ایک طرف انسانی فطرت کا تقاضا ہے تو دوسری طرف اسلام میں ذمہ داری کے اُصول سے وابستہ ہے اور اس کا مقصد انسان کی بحیثیت انسان تکریم ہے۔

- اسلامی معاشرہ کو اپنی شناخت برقرار رکھنی چاہئے، اس لئے فکری

انحراف اور فاسد افکار و خیالات سے اسکی حفاظت ضروری ہے۔

دوسری طرف دین کے معاملہ میں زور زبردستی کی قرآن نے نفی کی ہے اور پوری اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ ہمیشہ رواداری کا معاملہ روا رکھا ہے۔

دوسری طرف فقہی مسائل میں مسلکی اختلافات طبعی چیزیں ہیں لیکن نقطۂ نظر میں اس طرح کے اختلاف کو باہم دشمنی کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ آپس میں تعاون کا رشتہ برقرار رہنا چاہئے۔

دینی مسلمہ حقائق کے بارے میں شک وشبہ پیدا کرنے کی کوششوں پر مکمل پابندی ہونی چاہئے تا کہ معاشرہ میں اس طرح کی حرکتوں سے انتشار پیدا نہ ہو، اور آزادی کے نام پر مسلم معاشرہ میں لادینیت اور کفر والحاد پھیلانے کا حق کسی کو نہیں ہو، اور کسی شخص کے دین سے منحرف ہوجانے یا مرتد ہوجانے کے بارے میں فتویٰ کا حق معتبر و مستند علماء کو ہوگا اور عدالت کو حق ہوگا کہ وہ ایسے شخص کو توبہ کرائے اور اس سے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے اور اس کیلئے درکار مہلت کا استعمال کرے۔

ردت کا برملا اظہار معاشرہ میں امن وسلامتی برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے اور فکری آزادی کے حق کو بنیاد بنا کر جو شخص انتشار پیدا کرے عدالت کی طرف سے اسے سزا دی جائیگی۔

مسلم ملکوں کے سربراہوں سے یہ اپیل بھی ہے کہ وہ اپنی قوم کے افراد کیلئے غذا، رہائش کا مکان، تعلیم اور ملازمت کی سہولیتیں فراہم کرے تا کہ لوگ اسلام دشمن افکار کے نرغے میں آنے سے محفوظ رہیں۔

۲۔ حریت تعبیر یا اظہار رائے کی آزادی اسی حد تک قابل برداشت ہے جو دوسروں کے حق سے متصادم نہ ہو اور کسی کی عزت وآبرو یا شہرت معاشرہ میں مقام کو نشانہ نہ بنایا جائے۔

رائے میں سچائی ہو محض اپنی خواہش نفس کی تسکین نہ ہو اور حریت تعبیر کا بہانہ بنا کر کسی قوم کی مقدس کتابوں یا ہستیوں کو نشانہ نہ بنایا جائے، اور نہ تو عالمی برادری کی طرف حریت تعبیر کا دوہرا معیار اپنایا جائے۔

ساتھ ہی عالم اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون سازی کی کوشش کریں جس کی رو سے دینی مقدسات وشعائر کو حملہ یا مذاق کا موضوع بنانے کی کسی کو آزادی نہ ہو۔

اسلامی مالی اداروں کیلئے شرعی ایڈوائزری بورڈ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ شرعی بورڈ کو فقہ وفتویٰ کے ماہرین پر مشتمل ہونا چاہئے اور خاص طور پر ایسے علماء پر جن کو فقہ المعاملات پر دسترس ہو اور جو بینکوں اور مالی اداروں کے معاملات کا گہری نظر سے جائزہ لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں تا کہ وہ ان کے بارے میں رپورٹ جنرل کونسل کو پیش کر سکیں، اور اسکی قراردادوں پر عمل لازمی ہونا چاہئے۔

شرعی ایڈوائزری بورڈ کو آزاد ہونا چاہئے اور ان کے معاوضہ وغیرہ کی تعیین کا اختیار جنرل کونسل کو ہونا چاہئے۔ بورڈ کا رکن خود اس مالی ادارہ کا ذمہ دار یا اس کا ملازم نہ ہو اور نہ اس مالی ادارہ کے شیئر ہولڈروں میں ہو۔

شرعی بورڈ کو بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کی قراردادوں کو اپنے فتووں میں ملحوظ رکھنا چاہئے، اسی طرح اجتماعی اجتہاد کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور شاذ اقوال سے بچنے کی سعی کرنی چاہئے۔ اسی طرح اسے ہی شرعی رخصتوں کو جمع کرنے یا ممنوع تلفیق سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

شرعی مقاصد کو ملحوظ رکھنا چاہئے، ساتھ ہی فتویٰ کے اُن ضوابط کی بھی پابندی کرنی چاہئے جو اکیڈمی نے اپنی قرارداد نمبر ۱۵۳/۲/۱۲ میں طے کی ہیں۔

شرعی ایڈوائزری بورڈ کے لائحہ عمل، اس کے ارکان کی ٹریننگ' اور شرعی تدقیق کیلئے درکار صلاحیتوں' نیز بورڈ کے نظام کار کی بھی قرارداد میں نشاندہی کی گئی ہے۔

پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ کانفرنس میں ''تورق'' ''تصکیک''

''BOT'' وغیرہ سے متعلق بھی قراردادیں منظور کی گئیں چنانچہ ''تورق منظّم'' کی وہ شکلیں جو آجکل بعض اسلامی بینکوں اور مالی اداروں میں رائج ہوگئی ہیں اس میں کھلی ہوئی حیلہ بازی معلوم ہوتی ہے اکیڈمی کی قرارداد میں اسے ناجائز اور حرام قرار دیا گیا۔ تورق کی عام فقہی شکل جسمیں نقد رقم کے حصول کیلئے ایک ضرورت مند شخص کوئی چیز زیادہ قیمت پر اُدھار خرید کر پھر اسے کم قیمت پر نقد فروخت کر دیتا ہے تو اگر جس نے پہلے فروخت کیا ہے اس کے علاوہ کوئی تیسرا فریق خریدنے والا ہو تو اس کے جواز کا فتویٰ حنابلہ کی رائے کے مطابق پہلے ہی سے دیا جا رہا ہے۔

ایک قرارداد میں شیئرز اور منافع اسی طرح خدمات کے وقف کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح B.O.T سسٹم کے تحت مکانات، پُل اور سڑکوں وغیرہ کی تعمیر، کچھ عرصہ تک تعمیر کرنے والی کمپنی کی طرف سے اپنے اخراجات کے حصول کیلئے اس کا استعمال اور پھر اصل مالک کی طرف جائیداد کی واپسی کو جسکی متعدد صورتیں رائج ہیں کو جائز قرار دیا گیا ہے البتہ اس معاملہ کو ''استصناع'' اور ''اجارہ'' وغیرہ کے خانہ میں رکھا جائے یا اسے ''عقد جدید'' کا عنوان دیا جائے اس کے بارے میں معاصر فقہاء کی رایوں میں سخت اختلاف تھا لیکن قرارداد میں اسے عقد جدید کا عنوان دیا گیا ہے۔

شوگر کے مریض کی حالت کے لحاظ سے پہلے اور دوسرے اسٹیج کے مریضوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ تیسرے اور چوتھے اسٹیج کے مریضوں کو اس بیماری کے عذر سے روزہ چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے۔

ناگزیر حالات میں آپریشن کا فیصلہ کرنے کیلئے شرط لگائی گئی ہے کہ ایک سہ نفری بورڈ اس کا فیصلہ کرے، نیز یہ کہ علاج مفت ہو یا کسی تیسرے فریق کی طرف سے اخراجات کی ادائیگی کی جائے اور اگر مریض اجازت دینے کا اہل نہ ہو تو اس کے ولی یا ولی امر کی اجازت لی جائے۔

اور ولادت کیلئے ناگزیر آپریشن کی حالت میں اگر شوہر اور بیوی اجازت نہ دیں اور بچہ یا زچہ یا دونوں کی جانوں کو خطرہ ہو تو انکے انکار کا لحاظ نہیں کیا جائے گا اور ولی اَمر کی اجازت سے آپریشن کر کے ڈاکٹر کو جان بچانے کا اختیار ہوگا۔

ماحولیات کو آلودگی سے بچانے کیلئے اکیڈمی کی قرارداد میں اس بات پر شدت سے زور دیا گیا ہے کہ ایٹمی ایندھن یا اس طرح کے زہریلے مواد کو دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک کے آس پاس ڈالنے یا وہاں دفن کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، اور تمام لوگوں کو ہر ایسے عمل سے باز رکھنا چاہئے جس سے ماحولیات کو نقصان پہنچتا ہو۔

عمومی تباہی کے تمام ہتھیار ختم کر دیئے جانے چاہئیں اور ہر اس کام سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے ایسی گیس خارج ہوتی ہو جو ''اوزن'' کی سطح میں پڑنے والے شگاف میں توسیع کا باعث بنے یا جس سے ماحول میں آلودگی پیدا ہوتی ہو۔

کیونکہ شرعی قاعدہ کی رُو سے اُس چیز سے اجتناب ضروری ہے جس سے ''ضرر'' لاحق ہوتا ہو، ساتھ ہی ماحولیات کو آلودگی سے پاک رکھنے کیلئے مختلف تدبیروں کی تلقین بھی کی گئی ہے۔

قراردادوں کے بعد ایک علاحدہ بیان کے ذریعہ اکیڈمی نے فلسطین میں اسرائیل کی کارروائیوں اور مسجد اقصیٰ کی شناخت بدلنے کی کوششوں پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے اور اہل غزہ کو ضروری اشیاء کی فراہمی میں اسرائیل کی طرف سے لگائی گئی پابندیوں کو ہٹانے پر زور دیا گیا ہے اور تمام مسلم قیادتوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں جلد مؤثر اقدامات کریں۔

صومالیہ کی صورت حال پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور بحری قزاقوں کی طرف سے بحری جہازوں کشتیوں پر حملے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور اس سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔

dignity he challenges the honour and dignity bestowed by Allah, upon mankind. Now under such concept the human being whether man or women has to prove true in qualities of virtue and character and his or her success of failure will depend on these qualities.

Allah says, "Whoever works righteousness, whether male or female, while he or she is a true believer, verily, to him we will give a good life (in this world with respect contentment and lawful provision) and we shall pay them certainly a reward in proportion to the best of what they used to do." (An-Nahal 16:97)

From this we can conclude that according to the Holy Quran that the standard of virtue and character and success in the hereafter is the same for both men and women. The tides in the affairs of culture and civilization are the results of the efforts of both men and women. Hence it is most essential that both men and women are made useful for a healthy society and its balanced growth.

In Islam the rights & responsibilities and rules & regulations concerning these have been clearly defined, whosoever violates the right and directions laid down by the Almighty will be duly punished.

Allah says, "They are libas (i.e. body cover, or screen or sakan (i.e. you enjoy the pleasure of living with them), for you and you are the same for them. (Al-Baqrah 2:187)

Perhaps through this the Quran indicates that there are many aspects of womanhood which need the man for accomplishment and similarily there are many aspects of manhood which need the woman for accomplishment. Obviously this is complimentary relationship and needs mutual love and sympathy and not hatred and revulsion.

In this context the Quran indicates, "And among His signs is this, that He created for you wives from among your selves, that you may find repose in them, and He has put between you affection and mercy. Verily in that are indeed signs for a people who reflect." (Ar-Rum 30:21)

Eventually it is the fundamentals which establish the position of a woman in Islam, without these the position of woman in Islam can not be visualized.

Under the light of benevolent directions in Islam about women the distorted image of muslim women in the contemporary world is quite amazing and needs serious thought and conscientious efforts to correct this situation.

The Importance of Women in Islam and Its corrupted Image Today

Dr. Rukhsana Nikhat Lari
Member of the Board, Lucknow

Allah says in the Holy Quran about the Muslims that they are the "Ummate-e-Wast" which literary means the middle nation- a unique characteristic of the Islamic community- which has been asked to maintain an equitable balance between extremes pursue the path of moderation and establish the middle way (Al-Baqrah. 2:143)

Thus in the second chapter of the Holy Quran Allah say- "Thus we have set you up as a moderate nation so that you may act as witnesses for mankind, as the messenger is a witness for you. (Al-Baqrah. 2:143)

Ummah is a special name given to Muslim brotherhood and Unity. The Quran refers to Muslims as the best Ummah raised for the benefit of all mankind (Al-Imran.3:110) Such a community of Muslims will be a model for the whole world to emulate.

Hence, according to Allah's command the Muslim will be a model for the whole world and the best community to do beneficial work and prevent that which is harmful for all mankind. Allah says in the third chapter, "You are the best community which has been brought forth for mankind. You command what is proper and forbid what is in proper and you believe in Allah (alone)."(Al-Imran 3:110)

However Muslims have vast differences and controversies within their own community which is not only harmful to them but also distorts the image of Islam, and one of the major aspects of differences and controversies is about the position and role of women in Islam. The greatest problem is that there are so many practices about women which are imposed in the name of Islam.

Allah says clearly in the Holy Quran, "Mankind heed your Lord who has created you from a single soul, and creates its mate from it, and propagated many men and women from them both." (An-Nisa. 4:1)

In the Quran men and women are both human beings. and the human being is the most honourable creation. If anyone looks down upon humanity and humiliates human

dealing any critical matter. Members of the committee organised a rally on 15 August 1993 and were court arrested for reminding the prime minister about his promise for reconstruction of the attacked mosque. A twenty-one member committee was formed on 21 January 2001 to review and take action. The case of Babri Masjid is in its last stage before Lucknow bench of Allahabad High Court. Mr. Zafaryab Jilani, a leading advocate and member of the Board, is pleading the case. The government appointed the Liberhan Commission to find out the reasons of Babri Masjid demolition but the commission did not present any report for a long time. The Board has tried to present the case in the commission in the right earnest as and where required.

5. **Tafheem-e- Shariah**

Need has been felt to make aware and orient advocates and lawyers regarding Shariah and Muslim personal law so that they could understand and appreciate their rationale and relevance in judicial process. Therefore, Tafheem-e-Shariah Committee was formed for explaining Shariah to legal experts, media persons and other intellectuals. Maulana Jalaluddin Umri was its convener for some time and when he was elected as the President of Jamat-e-Islami Hind, Maulana Khalid Saifullah Rahmani took the reign. It held several meetings in New Delhi, Lucknow and Hyderabad during 2005 and hundreds of advocates and legal experts got benefited from them.

6. **Legal Cell**

Legal Cell of All India Muslim Personal Law Board has been constituted in 2005 under the stewardship of senior advocate Yusuf Hatim Muchchala. This committee advises the Board on matters related to secular laws and fights on assigned cases in courts.

7. **Publications**

All India Muslim Personal Law Board has published several books and booklets for the knowledge and information of experts and common men. So far 42 titles are on record, which have been brought out mainly in Urdu and English. Some of the books have been published in regional languages as well. The noteworthy contribution of the Board in this regard is the preparation, compilation and publication of Compendium of Islamic Law. The title was originally brought in Urdu as Majmua-e-Qawaneen-e-Islami. It contains a codified version of Islamic Shariah injunctions, arranged section-wise and dealing with marriage, divorce, guardianship, custody, Khula, Zihar, Li'an, Ila, Iddat, etc.

Major Achievements

All India Muslim Personal Law Board has gradually become a premier and credible Muslim organisation during the last 27 years and in fact it is now considered as the apex platform of Indian Muslims enjoying support and cooperation of all sects, schools of thought and ideological leanings. It stood up to the critical times while giving unified voice to the community and represented it properly in the national and international forums. It negotiated with the government and private organisations on matters having bearing on the Muslim life and culture as and when required. It succeeded in reviving faith of common Muslims on Islam and introduced it to non-Muslims in the right earnest. There can be no denial that All India Muslim Personal Law Board is the premier guardian of Islam and Shariah in the country and should be supported by all concerned with sincerity and dedication.

decrees and campaigns of protagonists against Shariah, awqaf and Muslim life. It is a sort of response to external threats faced by Muslims regarding their faith, identity and survival. The second set of activities have focus on internal reforms of the community, basically for promoting unity of the Ummah, improving Islamic life of individuals, and for enhancing inter-community understanding and cooperation. The third set of activities promotes research and studies on issues related to Shariah and publication of literature for information and knowledge of both the experts and common men. Following regular activities are being conducted under the aegis of AIMPLB.

1. Review of Law and Policies and Suitable Action

The Law Review Committee spearheads activities under this head. It thoroughly considers any change in the laws of land and government policies having bearing on Islam and Muslims life and suggest to the Board pertinent action for any rectification. The Board has successfully taken up and mustered influence on various critical issues such as related to uniform civil code, child adoption bill, Waqf Act, Shah Bano case, Muslim Women (Protection on Divorce) Act, Hajj Act, compulsory marriage registration bill, compulsion on reciting Vande Matram in schools, Babri Masjid case, etc.

2. Campaigns for Social Reforms

Social reform of the Muslim community remains one of the core activities of the Board since 2003. It felt that creating awareness among the Muslim community about injunctions of Islamic Shariah as a step towards its reformation. The Board has taken up this task as a priority. The target of social reform is generally met out through various campaigns and public awareness programmes. Social Reform Committee plans and supervises these activities. Maulana Wali Rahmani is the convenor of the committee. So far the Board has published 8 titles on the issue of social reform.

3. Establishment of Darul Qazas and their Systematic Functioning

In order to supplement judicial process and provide expert input in matters of family disputes related to Shariah, it has been resolved by the Board in 1985 in its Hyderabad session to establish Darul Qazas in various parts of the country. This resolve was reaffirmed in the Jaipur session of 1993, Hyderabad session of 2002 and Munger session of 2003. The Board motivates local people to establish and run a Darul Qaza for fulfilling their pertaining needs. So far the desired set ups have been established in Hyderabad, Banglore, Thane, Akola, Dholia, Indore, Azamgarh, East and South Delhi, Asansole, Purulia, Lucknow, Sitapur, Dehradoon, etc. A committee, constituted for this purpose under the supervision of Maulana Atiq Ahmad Batawi, is trying to establish Darul Qaza in different cities and towns. A booklet, "Establishment of Qaza System: Importance and Requirement" has also been published through which the movement of establishing of Darul Qaza has got strengthened.

4. Babri Masjid Issue

The Babri Masjid issue has been an eye sore of the community since February 1986 when the door of this historical mosque was legally opened for worshipping idols installed by some miscreant in 1949. Initially the issue was headed by All India Muslim Majlis-e-Mushawarat, which formed Babri Masjid Coordination Committee. However, the committee split into two groups and both of them eventually failed to tackle the issue properly then the Board was appealed by the Muslim leadership to take over charge of so far the most controversial and the most far-reaching issue of the country. The Board resolved to pursue the legal battle and formed a committee led by Dr Sayyed Qasim Rasool Ilyas for

Rahmani, Ameer of Imarat-e-Shariah Bihar-o-Orissa were respectively chosen as its first president and general secretary. Next year, a meeting of the Board was held at Hyderabad in which its constitution was adopted and it started functioning properly. Basically three points are included in the aims of the Board:

1. To make Indian Muslims more aware on the issues related to Shariah. Watching all such laws and their explanations, those coming under discussion in the parliament, state legislative assembly or courts, which directly or indirectly have impact on the Muslim Personal Law.
2. To review Mohamden Law positively and have discussion with scholars and experts of Shariah.
3. To make Muslims aware of Islamic commands and manners, rights and duties about family and social life, and to publish essential literature for this purpose. To promote sense of harmony, goodwill, brotherhood, unity and cooperation among the followers of various schools of Islamic Shariah and to promote unity and coordination among them for the protection of Muslim Personal Law.

The central office of the Board was formally established in 1994, when a flat was purchased in Jamia Nagar area of the national capital.

Organisational Structure

According to the constitution of All India Muslim Personal Law Board, there is a provision of one president, five vice-presidents, one general secretary, three secretaries and one treasurer as its office-bearers. There are two bodies of the Board, i.e. General Body and the Executive Committee. Number of members of these bodies is respectively 250 and 41, who represent all eminent Ulama, representatives of Muslim organisations, leading intellectuals, legal experts and media persons, and representatives of various schools of thought. The larger body of the Board comprises 101 founder members and others are its general members.

Such towering personalities as Qari Mohammad Tayyab, Maulana Abul Hasan Ali Nadvi and Qazi Mujahidul Islam Qasmi adorned the presidential post in the past and Maulana Sayyed Rabe Hasani, the rector of Nadwatul Ulama, Lucknow, presently spearheads it. The current vice presidents of the Board comprise Dr. Maulana Syed Kalbe Sadiq, Lucknow; Maulana Muhammad Salim Qasmi, Deoband; Maulana Muhammad Sirajul Hasan, Delhi; Maulana Kaka Saeed Ahmad Umri, Umrabad, Tamil Nadu; and Maulana Syed Shah Fakhruddeen Ashraf. The present general secretary of the Board, Maulana Nizamuddin, Ameer, Imarat-e-Shariah (Bihar, Orissa and Jharkhand) was nominated on the post after the demise of its first general secretary Maulana Minnatullah Rehmani. Well-known lawyer Advocate Abdur Rahim Qureshi is officiating as the assistant general secretary whereas Professor Riaz Umar provides his services as the treasurer of the Board.

During 27 years' life of the Board, 20 general body meetings and 78 executive committee meetings were held in different cities of the country. Thus, almost every year, one meeting of the larger body is held whereas frequency of the apex body comes to be quarterly. Besides, a number of committees and sub-committees hold meetings for discharging their assigned functions and keep the Board rolling constantly.

Activities

There are three kinds of activities the Board is known for; i.e. dealing of critical issues, community reform and research and publication on concerning issues. The first set of activities take shape in the light of problems and issues created due to policy decisions of the government, enactment of untoward laws, judicial

All India Muslim Personal Law Board: Background, Activities and Achievements

Abdur Rashid Agwan
New Delhi

India espouses a secular, democratic and socialist Constitution, which guarantees universally acknowledged rights to minorities such as the right to preserve culture, the right to profess, practice and propagate the chosen faith, the right to establish educational institutions, the right to equality, and the like. However, in practice, these minorities are facing a number of problems including discrimination, prejudice and threats to identity and survival. Inter alia many intricate issues, their personal laws are targeted by a class of politicians, bureaucrats, media, rightist organisations and, of course, by the judicial system in the name of national integrity and harmony, and there is a constant pressure on these communities to change their personal laws in accordance with either the secular laws or the beliefs and practices of the majority community. Just after independence, a section of intellectuals have taken up the task to inflict changes in the duly accepted Muslim Personal Law and to malign its upholders.

All India Muslim Personal Law Board was established in 1972 to face such threats on the one hand, and on the other, to make a cross section of society aware of Shariah and its application in modern life. Since its inception, the Board is dealing with one or the other issue every now and then and it has successfully guided Indian Muslims in critical times as their apex body in the country. Here is a brief introduction of the AIMPLB and its activities.

Establishment

In the name of article 44 of the Constitution, which subscribes gradual enactment of uniform civil code through out the country, a coterie of people and organisations such as anti-religion groups, aggressive Hindu organisations like RSS and VHP, leftist intellectuals and ultra liberal Muslims have been pursuing since early sixties the policy to wreak the uniform civil code on Muslims while even going against the spirit and guidelines of the Constitution itself. In 1963, the government constituted a commission to reform the Muslim personal law, which was revoked after some years seeing public sentiments against it. Another such attempt was noticed in 1964, when a member of Maharashtra assembly, supported by some Muslim MLAs, tabled a private bill in the state assembly for preventing Muslims from marrying more than one wife. It did not succeed on the floor. Again in 1972, the act was repeated in the said assembly with the same fate. However, the child adoption bill presented in the parliament the same year gave the major impetus for the formation of a permanent organisation to fight such ill-intended conspiracies as and when required. And, the outcome is the formation of All India Muslim Personal Law Board.

In a historic convention on 13-14 March 1972 in Mumbai, most of the eminent Muslim leaders, intellectuals and representatives of well-known institutions and Islamic sects and schools of thought of the country participated and recorded their anguish over seditious attempts by some vested interests for undermining the personal law of Muslims and fervently pledged to uphold Shariah in spite of all odds. Reverend Qari Mohammad Tayyab, the erstwhile rector of Darul Uloom Deoband and Maulana Minnatullah

convention decided to setup All India Muslim Personal Law Board and this Board was formally constituted at a meeting held at Hyderabad on 17th April, 1973. The Board formulated a comprehensive programme to protect the laws of Shariat, to acquaint the muslims with the Sharia rules and etiquettes to be observed in social life and to eradicate all unislamic customs and traditions from the muslim society. Meetings and well attainded grand conferences were held at local, district and state level in every nook and corner of the country. Moulana Syed Shah Minnatullah Rahmani who was elected as the first founder General Secretary had compiled three booklets under the titles "The Muslim Personal Law" , "The problem of Muslim Personal Law in new phase" and "Muslim Personal Law - Few aspects for discussion and consideration". These booklets and the address of Qazi Mujahidul Islam Qasmi entitled "Introduction and Analysis of the problem Muslim Personal Law " and presidential addresses of Hazrat Moulana Abul Hasan Ali Nadvi, the second president of the Board were published in thousands and thousands and were distributed among the muslims to made them aware of the important of the problem and of the gravity of the situation,. These and other activities of the Muslim Personal Law Board created sentiments among muslims for the cause of protection of their rights and they felt it that this was their own responsibility. The zeal and enthusiasm generated in the muslims was due to efforts of All India Muslim Personal Law.

The formation of All India Muslim Personal Law Board proved to be historic as it created a sense of unity among the whole muslim county and the talents of the community converged on this point. This changed the whole atmosphere. Those who are raising voice for amendments in the Muslim Personal Law became apologetic and now the changed stand was that the Muslim Personal Law can be changed when muslim themselves want the change.

The activities of the Muslim Personal Law Board are carried out in two directions. The first one to adopt effective measures against any efforts to change the law of Shariat directly or indirectly or through parallel legislation and the other to acquaint the muslim with the rules of Shariat and mutual rights and duties and etiquettes in Islam and to create a zest among them to follow Shariat in all social matters.

The Board also encourages analytical study of Islamic laws and jurisprudence and to find solutions to the newly emerged problems according to the principles of Islamic Shariat. The Board has been promoting mutual understanding and cooperation between different schools of Islamic law and sects. It is an undeniable fact that existence of the Indian muslims with their own civilization and culture and their continuation into a bright future can be ensured if endeavor is made on all aspects with comprehensive planning. Board has achieved success during the last 37 years in many fronts, whether it be the problem of adoption or of maintenance to a divorcee or any other problem relating to the Muslim Personal Law.

The All India Muslim Personal Law Board has accepted the invitation of conscientious muslim of Kerala and is convening the meeting of its Executive Committee at Calicut on 12th of July 2009. This important meeting of Executive of All India Muslim Personal Law Board is being held in Kerala for the first time and surely the muslims of the state will evince interest in this and will attend the public meeting to be held in this connection in large numbers and demonstrate that the muslims of Kerala are not behind anyone in promoting the cause of Shariat i.e. Muslim Personal Law.

The Board Marching ahead

Mohd. Abdul Rahim Quraishi
Asst. Gen. Secretary Board

It was in 1937 that the British Government of India, acceeding to the consistent demand by muslim ulemas enacted the Muslim Personal Law (Shariat) Application Act which laid down that in all cases between muslims litigants relating to matters concerning marriage, divorce, dissolution of marriage, will, inheritance, gift, wakf etc., the courts should decide such cases according to the rules of Islamic Shariat. This act says "The rule of decision shall be Shariat". This Act has rendered all customs and traditions prevailing in the society irrelevant and in applicable.

After our country, India attained independence, our Constitution was framed and in this Constitution, the guarantees in Articles 25 & 29 protect the Muslim Personal Law (Shariat) and ensure continuity of application of Muslim Personal Law (Shariat) by the courts. But in the chapter of Directive Principle of State Policy, a provision was made in Art. 44 that the state shall endeavor to secure Uniform Civil Code applicable on all citizens throught the country. This Article provided the pretext for raising voice against Shariat and for paving way to the abolition of the Muslim Personal Law.

In 1956 when Hindu laws relating to marriage and other related matters known as the Hindu Code were being enacted the then Law Minister Mr. Pataskar had declared that the reforms which were being made in the Hindu laws would be enforced in future on other citizens of the country.

This statement of the then law minister was infact declaration of Government of India's policy. Simultaneously some so-called muslim intellectuals were encouraged to raise voice for reform and amendments in the Muslim Personal Law for the sake of progress and the media, newspapers and journals and other modes of publicity were activated and seminar and symposia were arranged to prepare ground for reforms and amendments in the Muslim Personal Law.

In these circumstance, ulemas and leaders of the community, expert of muslim law and intellectuals took stock of the situation and by the grace of Allah Subhanaho-O-Taala some conscientious muslims assembled to thinkover the problem. In this connection the first meeting was held at Deoband at the instance of Hazrat Moulana Syed Shah Minnatullah Rahmani the fourth Ameer-e-Shariat of Bihar & Orissa and Hazrat Hakimul Islam, Moulana Qari Mohammed Tayyab Qasmi sb rector of Darul Uloom, Deoband. It was decided that the most of the voices against the Muslim Personal Law are being raised by the so called intellectual of Bombay, therefore a representative convention on Muslim Personal Law be held at Bombay. On this initiative All India Muslim Personal Law Convention was held at Bombay on 27 & 28 Dec. 1972. This convention turned into a historic event wherein muslims from all parts of the country and muslims belonging to different sects and schools of fiqh, ignoring mutual differences and sectarian prejudices attended this convention for protecting the laws of Shariat and to strive for this cause with full unity within the muslim society. This convention unequivocally declared that muslims would not except any law other than the law of Shariat in all matters relating to marriage, talaq, fasiq, khula, succession and inheritance, gift, wakfs etc., The

and trust. Infect it is the heavenly message. The essence of the message is that one must resign to the will of Allah. Abide by His commandments and avoid what has been forbidden by Him, as vice always leads to devastation. Now the question arises that when the scripture has been revealed to us and the enjoins of shariah have been manifestly communicated to us, how could we offer an alibi for not abiding by it and are unable to enforce it in our lives and affairs. These are our material desires or impediments created by the Satan or the society that deny our access to the shariah? What ever it might be, no hindrance should block our way to the shariah. Praise be to Allah that in the Indian Muslims Society. Islamic awareness, Islamic Culture and Islamic upbringing is still exists to an extent. Islamic Sense and Islamic awakening is also vibrant, just as belief increases and decrease as well similarly the blessing and favour of the Almighty diminishes or is in abundance. It is incumbent upon Muslims to be aware of the Islamic rules and fundamentals and transform their lives accordingly. A father should train his children, a husband should try to reform his wife and be aware to her right. As a son he should discharge his obligations towards his parents, his brothers and sisters. The criterion in this regard would be what Allah and this Messenger (Pbuh) have prescribed.

Our faith demands that we must remain united. We must avoid conflict and must cultivate a habit to respect others views, love mankind, make effort to reform people and make our selves indispensable to our nation and our country.

To remove contradictions from our lives is the foremost requirement. The message of the Muslim Personal Law Board is to ensure unity adherence to the shariah, the enjoins of the Quran and Sunnah, Indian Muslims must abide by the rules set by the righteous of yore and follow the commandment of Shariah sincerely and transform their lives to conform to the norms of the faith.

The religious leadership of Indian Muslims brought all the sects and organizations on one platform to provide a strong unity among Indian Muslims. It gave this message through every statement it issued and also stressed upon a firm collectivity. That it launched a campaign to uphold and enforce Islamic family laws. Praise be to Allah that this campaign was headed by emanate ulama and urged that Indian Muslims being a minority in the country should strictly abide by their family leaves. They should enforce law covering marriage, divorce, discharge of their obligation towards their family members and thereby revive the laws of the Shariah in their society.

Indian Muslims and their obligations

Syed Nizamuddin
Gen. Secretary Board

When Allah Almighty created the Universe and brought various kind of species in to existence, He Himself created man and endowed him with all sort of capabilities. Wisdom was the most important natural trait that was bestowed upon man. He blessed him with a heart that is the nucleus of all capabilities and mysteries. Allah Almighty created human being to worship Him and glorify Him. He sent down scriptures and a chain of messages. This divine system concluded till the last Messenger of Allah (Pbuh).

Man either speaks, or is silent, moves of is motionless. In every positions, there is an impulse behind every movement and action and idea. that causes this sudden reaction. Human being is in himself a symbol of Allah's creation who has a world hidden within his innerself. A poet has very aptly described it

It a man retreats and negates himself, he is just a handful of dust. But if he magnifies himself, even the universe could not contain it.

This is the human kind, Allah has said of him that we created him, blew sprit in to him and blessed him with wisdom and power of thanking. We taught him every thing that he needed. We commissioned messengers to guide him to the right path. They preached in the language of their people and tried to reform and regenerate them. He sent down the scriptures that state every thing explicitly. So that man can discriminate between vice and virtue. This system contained for centuries. Messenger came and passed away. Old generation disappeared and new one took their place on earth. History recorded the annals. Then came Allah's last messenger (Pbuh) with his scripture having 30 parts (the Quran) He recited Allah's Book to his people, taught wisdom to them and perfected them. The trained groups o righteous people who travelled across the globe and communicated the divine message to the human kind that they had got from their master (Pbuh) where ever this group of the righteous of yore went, there was refulgence of divine guidance and materialism yielded to spirituality, repression gave way to justice. Monotheism overwhelmed polytheism. Then came forward the second generation of their students (Tabeien) and then the students of their students (Tabe Tabeien). After them, ulama reformers and suites shouldered the obligation. But what is this obligation

This document was created with the Win2PDF “print to PDF” printer available at
http://www.win2pdf.com

This version of Win2PDF 10 is for evaluation and non-commercial use only.

This page will not be added after purchasing Win2PDF.

http://www.win2pdf.com/purchase/